یا غفور

اے عشق حرف شو، کہ کسے از کلامِ ما
شاید بہ کوئے دوست رساند پیامِ ما

میکش

میکش اکبرآبادی

باہتمام خواجہ صدیق حسین
در مطبع آگرہ اخبار آگرہ طبع گردید

بقیمت فی (حق تالیف محفوظ ہے) مطالعہ

نذر

من کہ سر در نیاورم بدو کون
گردنم زیر بار منتِ اوست

بمقتضائے کل شئ یرجع الی اصلہٖ میں بصد عجز و اضطرار اپنے نامکمل جذبات اس حقیقت جامعہ میں محو کر کے مکمل کرنا چاہتا ہوں جس کی حسن و عشق دو جہتیں ہیں اور حقیقت و مجاز جس کی دو حیثیتیں۔ جو بہ شکل حجۃ اللہ سراج السالکین[1] رح ہے اور بصورت آیۃ اللہ تقی الدین[2]،

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتوِ آں
ہر کجا نگری انجمنے ساختہ اند

جس کے حسنِ کامل کی ایک خفیف خواہش ظہور میرے سوزِ دل کی صورت میں نمودار ہے ؎

کارِ زلفِ تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

خاکِ خرابات میکش

---

[1] و [2] تاجداران خانقاہ علیہ نیازیہ بریلی۔

غلط نامہ

(کتاب پڑھنے سے پہلے غلطیاں درست فرمالیجئے)

صفحہ	نمبر شعر	غلط	صحیح
۳	۱۳	باطل ہے	ہے باطل
۱۸	۲	جلووں پہ	جلووں میں
۳۱	۱۲	جہاں	جہان
۳۳	سطر ۲	قومی	قوی
۴۹	سطر ۱۰	ایں	ایک
〃	۱۱	توبڑے	توڑے
۶۷	۱۰	گرط	گر
۷۹	۲	جہاں تک پھر	جہاں تک کہ پھر
〃	۶	آئے	آئے گی
〃	۹	حال	حال آپ
۸۱	۶	پوچھتے ہو کیا	پوچھتے کیا
〃	۸	پاسیاں	پاسباں
۸۲	۸	ہاتھوں میں ہے	ہاتھوں میں ہوں
۸۳	۶	عقل کو	عقل و

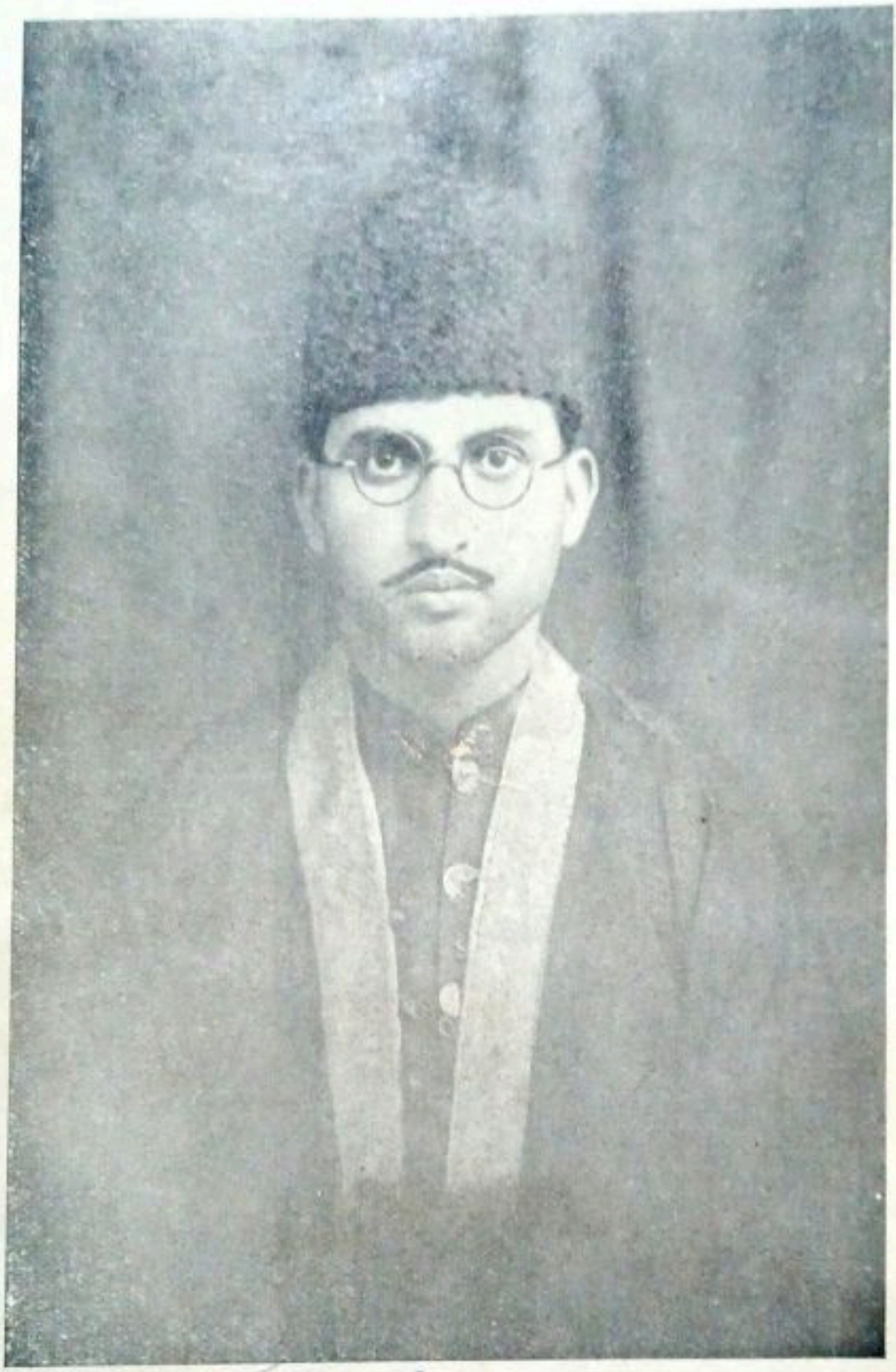

جناب پنڈت ہیلش اکبر آبادی صاحب نبلہ

باسمہ تعالیٰ و تقدس

تعارف

اس وقت میرا مدعا نہ تو "شاعری" پر کوئی بصیرت افروز "مقدمہ" لکھنا ہے اور نہ کسی شاعر کا "میرزا غالب" سے "موازنہ" کرنا بلکہ ایک ایسے شاعر سے "تعارف" مقصود ہے جو کیا بلحاظ "تخئیل" اور کیا بحیثیت "جذبات" موجودہ دنیائے شاعری سے الگ ہے بنابرین یہ کہا ہی نہیں جاسکتا کہ وہ کسی سے کم ہے یا زیادہ اس مسئلہ کا حل "کہ کن اصولوں کے ماتحت زیرِ نظر کلام کو جانچا جائے؟ میری قوتِ علمی سے دشوار ہے۔ ناقدین خود فیصلہ کرلیں گے۔ میں تو محض ذاتی واقفیت کی بنا پر جو کچھ جانتا تھا وہ حوالۂ قلم ہے۔ اسمیں سے کچھ حصہ صاحب میکدہ کی شخصیت کے متعلق ہے اور وہ بھی صرف اُسقدر جسکا اثر میرے خیال میں کلام پر واقع ہوا ہے اور کچھ حصہ کلام کے متعلق۔

تعارف کی ضرورت

اس موقعہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مزید تعارف کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ ہندوستان بھر کے مختلف اخبارات و رسائل میں عرصے سے جناب میکش کا کلام شائع ہو رہا ہے اور خاص خاص رسائل آپکا شاندار تعارف بھی کر چکے ہیں۔ خصوصاً "نغمہ اور اسلام" کی تصنیف سے موصوف کی ایک ایسی علمی ہستی قائم ہو چکی ہے جس سے اہلِ علم اور خصوصاً اخبارات و رسائل میں حضرات ناواقف نہیں ہیں۔

میرے خیال میں کسی شے کی ضرورت یا اُسکا سببِ وجود معلوم کرنا ایک ایسی بات ہے جسکا کوئی متعین جواب نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن واقعہ ہے کہ ابھی شاید "آگرہ" میں بھی ایسے اصحاب بہت ہونگے جو حضرت سید محمد علی شاہ صاحب سے بخوبی واقف ہیں لیکن جناب میکش سے قطعاً ناواقف اور جناب میکش سے مکمل طور پر متعارف لیکن سید محمد علی شاہ صاحب سے بالکل ناآشنا۔

یہ ضروری بھی نہیں کہ کسی شے کی تمام حیثیات ظاہر ہوں خصوصاً میکش صاحب جیسی نام و نمود سے نافر بلکہ دشمن نام و نمود ہستی جس نے متعدد تقاریظ و تواریخ جو خاص طور "پر میکدہ" کے لئے لکھی گئی تھیں محض اس جرم میں شریک اشاعت نہ کرنے دیں کہ اُن میں مدحیہ عنصر کافی تھا۔

سرِ مطلب

جناب مولوی، سید محمد علی شاہ، صاحب میکش، قادری، نیازی رئیس میوہ کٹرہ "آگرے" کے ایک ایسے مشہور و ممتاز خاندان کے فرد بزرگ ہیں جو بلحاظ شرافت و نجابت اور بحیثیت تقدس ظاہر و باطن اپنا جواب نہیں رکھتا اور چونکہ گزشتہ صدی عیسوی میں حامل عنانِ نظم و نسق شہر بھی رہ چکا ہے اسلئے قریب قریب تمام دینی و دُنیاوی وجاہتوں کا طُرّہ امتیاز اپنے سر پر لگائے ہوئے ہے اور یہی وجہ ہے کہ آگرہ کی کوئی تاریخ، کوئی فیملی خاندان اور کوئی شخصیت ایسی نہیں جو انتہائی عظمت اور دلی محبت کے ساتھ اس گھرانے کا نام نہ لیتی ہو۔[1]

مذہبی تقدس کے اعتبار سے بھی موصوف کے جدامجد حضرت سید امجد علی شاہ اصغر رحمۃ اللہ علیہ جد بزرگوار حضرت سید مظفر علی شاہ اللہی "مؤلف جواہر غیبی" طاب ثراہ، اور والد ماجد حضرت سید اصغر علی شاہ اعلی اللہ مقامہ مرجع خواص و عام و سرآمد روزگار رہے۔

چونکہ "آگرے" کے تمام "سجادگانِ خصوصی" کا سلسلۂ ارادت آپکے جدامجد مولوی سید امجد علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے اسلئے اس آستانہ کی جبیں سائی "ارض تاج" میں علی العموم باعثِ فخر و مباہات سمجھی جاتی ہے۔ اور جناب میکش مسلم طور پر اس خاندان کے وارث اور جانشین مانے جاتے ہیں۔

میرا مقصد اس خاندان کی تاریخ نویسی نہیں بلکہ مجھے ان اسباب پر روشنی ڈالنا مدنظر ہے جنکا اثر جناب میکش کی شاعری پر ہوا اسلئے کہ ہر انسان کے ذاتی کیریکٹر کے علاوہ ایک خاندانی کیریکٹر بھی ہوتا ہے جو طوعاً کرہاً ماحول سے بنتا ہے اور شخصی کیریکٹر کو متاثر کئے بغیر نہیں چھوڑتا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غالباً ناموزوں نہ ہوگا کہ ذاتی کیریکٹر کی داغ بیل خاندانی کیریکٹر

---

[1] ملاحظہ ہو "تذکرۂ اللہی" انوار العارفین، تحفۂ طہران، سادات الصوفیہ، مشاہیر اکبرآباد، تذکرۂ گلشن بیخار، نسب معصومی، وغیرہ۔

کے ماحول میں پڑتی ہے اور شخصی کیرکٹر کی تعمیر میں اسکے آثار ضرور پائے جاتے ہیں۔

جناب میکش کی ولادت مارچ ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔ دو سال کی عمر میں سایۂ پدری اور بزرگانِ کور کی سرپرستی سے محروم ہو گئے اور آپکی تعلیم و تربیت آپکی والدہ ماجدہ کی زیرِ نگرانی ہوئی جو ایک باہوش اور صالحاتِ قدیمہ کی زندہ یادگار ہونیکے علاوہ بزرگانِ خاندان کے علم و عمل سے بخوبی واقف ہیں اسلئے انہوں نے اپنے محبوب بیٹے کی تعلیم کے لئے شہر و بیرونجات سے بڑے بڑے لایق علما و فضلا کی علمی خدمات بیش قرار معاوضوں پر حاصل کرکے ابتدائی و اوسط مراحل علمیہ مکان ہی پر طے کرائے اور انتہائی مدارج کی تکمیل کیلئے آپکو مدرسہ عالیہ (جامع) آگرہ میں داخل کرادیا، جہاں سے آپنے اونیس سال کی عمر میں علوم ظاہری کی سند حاصل کی اور ۱۹۲۱ء میں آپکا سر دستار فضیلت سے مزین کردیا گیا۔

گو "درس نظامیہ" کے مرمہ نصاب کے مطابق آپنے منقولات کے دوش بدوش جدید و قدیم معقولات کا درس بھی لیا ہے تاہم چونکہ اپنی خاندانی روایات و ضروریات کے مطابق آپ سجادہ نشین بھی ہوئے اسلئے مطالعہ علوم و فنون اور شریعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی کے ساتھ ساتھ صفائی قلب اور علم باطن کا حصول ہمیشہ مطمح نظر رہا لہٰذا "علمائے ظاہر" کی سی "خشکی" اور "پیرزادوں" کی سی "صنعت" آپ میں پیدا نہ ہوسکی۔ تنہا نشینی اور تعلیمات ظاہر و باطن کا اثر آپکی شاعری پر بہت گہرا پڑا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کا کلام کورانہ تقلید سے سراسر مبرا ہے، عرصہ تک "ادبی مجلسوں" اور "مشاعروں" سے آپ کی قطعی بے تعلقی نے آپکے اس وصف کو اور بھی نمایاں کیا ہے۔

آپ "انگریزی تعلیم و زبان" سے ناآشنا ہیں اس لئے "مغربی خیالات" اگر کلام میں ہوں تو انہیں اتفاقات سے سمجھنا چاہئے۔ ہم اس سے پہلے کہیں بیان کر آئے ہیں کہ عہد طفولیت ہی میں آپ کے سر سے پدر بزرگوار کا سایہ اٹھ گیا تھا اسلئے کمسنی ہی میں آپ کی نیاباً ایک بزرگانہ شخصیت قائم ہوگئی لہٰذا ابتدا ہی سے آپکے کلام میں (جس کا ذوق آپکو وراثتاً حاصل ہوا ہے) متانت و سنجیدگی موجود ہے اور خودداری و عزنفس کا عنصر بہت نمایاں ہے۔

پھر ایسی "قیود" میں "عشق و محبت کا مطالعہ" جو فطرت کائنات ہے کس نظر سے کیا گیا ہوگا؟ ہر شخص اندازہ نہیں کرسکتا۔ ضرور ہے کہ "صنعت" "فطرت" یا "عشق" "عقل" کی جنگ ہوتی رہی ہوگی۔ آزادی کا جذبہ مغلوب ہوکر غالب آنے کی کوشش کرتا رہا ہوگا، نتیجہ کیا ہوا؟ "خدا ہی بہتر جانتا ہے" مگر شاعری تمام تر یہی کہتی ہے کہ آزادی اور پابندی

دونوں جذبوں نے مادیت کو شکست دیدی اور

باطنم آزادِ مطلق ظاہرم در قید و بند

کا نظریہ عملی طور پر قایم ہوگیا۔ ورنہ کس طرح ممکن تھا کہ جناب میکش اپنے خاندانی عزت و وجاہت سے قطع نظر کرکے در "خانقاہ" عالم پناہ "بریلی" شریف پر حاضر ہوکر وہاں سے بصد نیازمندی طلب و اکتساب "علوم باطنی" کرتے۔ انھیں امور کی بنا پر "پیرزادگان" کے "امراض خصوصی" سے موصوف بحمد اللہ یکسر پاک اور سادگی، صداقت و آزاد خیالی کے صفات سے متصف ہیں اور ان کا یہ شعر ان کی ان کیفیات کا جام جہاں نما ہے ؎

خاکساری بھی ہے ریاکاری ہستی غیر کا نقاب اُٹھا

"صاحب میکدہ" سے گو ناکافی سہی مگر یک گونہ "تعارف" ہوگیا اب "مئے میکدہ" کی کیفیات کا مشاہدہ اور اُن سے لطف اندوز ہونا باقی ہے۔ اگر بالاستیعاب تمام کیفیات پر روشنی ڈالی جائے تو میں اپنے دائرۂ مقصد سے نکل کر میدان "تبصرہ" میں گامزن ہوجاؤنگا اس لئے صرف اُن امور کی جانب اشارہ کردینا مناسب سمجھتا ہوں جو نمایاں طور پر جناب میکش کی "حدودِ شاعری" کو "رفتار حاضرہ" سے بالکل علیحدہ اور نمایاں تر کردیتے ہیں۔

(۱) ذیل کے اشعار بزبانِ حال گویا ہیں کہ "میکش صاحب نے عاشقیت کی نہیں بلکہ معشوقیت کی ترجمانی کی ہے"۔

میں خود معنیِ حسن ہوں اے ستمگر مگر کچھ جدائی میں تیری مزا ہے

مرے سوز کی کیفیت اُس میں تھی لبوں پر جو تیرے تبسم رہا

دیکھنے والے کی آنکھیں دیکھئے آپ کو صورت پہ اپنی ناز ہے

بے دل دیئے میں کیا کہوں میں بھی رہ سکا — کچھ کہہ رہا تھا رنگ تمہارا اُڑا ہوا

ہمیں اچھے نہیں لگتے تماشا دیکھنے والے — تجلی خود نہ کیوں بن جائیں جلوا دیکھنے والے

میں یاد میں تیری روتا ہوں دنیا مرے حال پہ روتی ہے
بیتاب کن یکدل تو ہے بیتاب کن صد دل میں ہوں

(۲) "فلسفۂ جمالیات" میں جناب میکش نے اصل اصول "فنا" کو قرار دیا ہے، ارشاد ہوتا ہے ؎

آ عاشقوں میں بیٹھ فنا عاشقوں سے سیکھ — یہ حسن خود حجاب ہے اے بیحجاب حسن

ہوں طالب فنا میں بعنوانِ جنوں — ہستی مری گناہِ محبت کا راز ہے

اب تو فنا ہی چارۂ سودائے عشق ہے — لو آج آ کے مل بھی گئے وہ تو کیا ہوا

مرے دل کی خلش مجھ کو فنا ہونے نہیں دیتی — یہاں ورنہ ہر اک جلوہ مٹا دینے پہ مائل ہے

ایک بات خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے کہ تمام کلام میں آپ کو شاید ایک شعر بھی غیر متین یا بازاری رنگ کا نہ ملیگا اسی طرح غیر "رقیب"، "دشمن" بھی صیغۂ غائب میں ہیں سوا ان چند شعروں کے جو اپنی شاعرانہ ندرت کے اعتبار سے عدیم المثال ہیں اور غالباً اسی وجہ سے تفننِ طبع نے ان کے شہود کی سفارش کی ہے۔

بتا دیں آپ اپنے دوستوں کے نام تو مجھ کو — سمجھ تو لوں کہ میرے کتنے دشمن ہیں زمانے میں

یہ تم دشمن کی جانب دیکھکر کیا مسکراتے ہو — ہمیں خود اعتبارِ وعدۂ فردا نہیں آیا
جگہ دل میں کہ اس کو بھی محبت تجھ سے ہے — تیرے سودائی کو دشمن سے محبت ہو گئی

(۳) "آزادی" اور "عزِ نفس" کی کیفیات شعریت کے قالب میں ملاحظہ ہوں ؎

آزادِ دو جہاں ہوں ہاں تم بُرا نہ مانو — میں نے تو ایک فقرہ رندانہ کہدیا ہے

تھی فنا تو مرا مقام مگر، — نہ رہے تم بھی جب حجاب اُٹھا

میں سہی صرفِ یک نظارۂ حسن — اور جو پہلے مرا نقاب اُٹھا

یہ بیخودیِ شوق تو ہے اور شے مگر — رہتے ہیں ہم بھی آپ کو اکثر لئے ہوئے

زلفِ مشکبو کا غم دل کو وقف کیوں کرلے — دل کو جو کرے برہم زلفِ مشکبو ہی ہے

تو کیا جانے تو کیا سمجھے رنگِ محفل دابِ مجلس
زیبائشِ یک محفل تو ہے آرائشِ صد محفل میں ہوں

محبت کو میری غرض تم سے کیا ہے — طبیعت کا دل کی یہی مقتضا ہے

(۴) "عام مسلمات شاعری" سے جناب میکش کا زاویۂ نگاہ اختلاف عظیم رکھتا ہے اشعارِ محولۂ بالا تو خیر اس امر خاص پر روشنی ڈال ہی رہے ہیں مگر چند تمثیلات اور ملاحظہ ہوں ؎

سہتے سہتے غم محبت کے یہ حالت ہو گئی — ہنس کے بولا جو کوئی اُس سے محبت ہو گئی

خوش رہو دنیا میں تم ہمتو اسیں شاد ہیں — تم سے ملکر رو لئے ہلکی طبیعت ہو گئی

مٹاتا ہے مجھے گو تیرا انداز ستم لیکن — قیامت وہ ہے جب تو رحم پر مجبور ہو جائے

تجھ سے بھی کچھ فزوں ہے مرا دل سو واسطے — تو انتخابِ عشق ہے دل انتخابِ حسن

خلش خارِ تمنا کی ہے وجہِ زندگی مجھ کو — وفا کا کیا کروں شکوہ جفا بھی آپ نے کم کی

چراغِ طور کیا ہے گُل چراغِ طور ہو جائے — وہ کیا جلوہ ہے جو پابندِ سمت و نور ہو جائے

حق و باطل کا امتیاز یہ ہے — امتیازات کے حجاب اُٹھا
خاکساری بھی ہے ریاکاری — ہستیِ غیر کا نقاب اُٹھا

بدلا ہے اے شکوۂ دل کیا معیارِ تمنا کا — ورنہ جیسی پہلے تھی اب بھی انکی عنایت ہے

ثابت ہوا یہ ہے ترا انداز مستقل — دل سے تری نگاہ کرم کا گماں گیا

تیرے ستم کا کیا شکوہ تیرے کرم کا کیا کہنا — جب بھی دلمیں حسرت تھی اب بھی دلمیں حسرت ہے

(۵) میکش کی ایک بڑی خصوصیت حقیقت نگاری بھی ہے جس کے ضمن میں آپ ایسے عجیب و غریب اشعار دیکھیں گے جو یقیناً فقید المثال ہیں۔ اس قسم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

تو حقیقت کل ہے وہم غیر ہے باطل — بلکہ وہم باطل بھی حق تو یہ ہے تو ہی ہے
آبرو جسے کہئے کچھ نہیں بجز پندار — یاں شکستِ ہر پندار اپنی آبرو ہی ہے
جس جگہ نظر ٹھہرے وہ حجاب ہے اُسکا — دے نظر کو آزادی پھر وہ روبرو ہی ہے

میں اور یہ تنزل میں اور عشقِ صورت — آئینہ ڈھونڈتی ہے کیفِ خودی کی فطرت
میں عشق کا ہیولا اور شکل میری تم ہو — باطن میں میں ہی میں ہوں ظاہر میں تم ہی تم ہو

خوشی کی جستجو اے دوست غم ہے — خوشی کو بھول جا غم بھی نہ ہوگا

غایت قرب ہوا وجہِ حجاب — کاش کچھ دور وہ ہم سے ہوتا

کیا مجھ کو گمرہیِ عالم کا غم نہیں ہے — لیکن میں سُن رہا ہوں کچھ عذر بیخودی کے

اے محوِ سازِ شادی سُن میرا سوزِ غم بھی — سمجھانا چاہتا ہوں معنی تجھے خوشی کے

---

(۶) بیانِ "کیفیات" و "محاکات" بکثرت اور ایسے "معجز نما انداز" سے آپ کو نظر آئے گا کہ آپ کو جناب میکش کی "انفرادی حیثیت" تسلیم کرنا پڑے گی۔ اشعارِ ذیل توجہ طلب ہیں ؎

مرے دل کی بھی عمر اتنی ہی تھی ترے لب پہ جتنا تبسم رہا

گریۂ ناتمام عیب نہیں آپ ہنسنے کو میرے کیا سمجھے

تقاضا دردِ دل کا ہے کہ لیکر مجھ کو اُڑ جائے جسے کہتے ہیں نالہ کوششِ ناکام ہے دم کی

کچھ اس طرح ہوئیں تقسیم شوخیاں انکی ہر ایک نے یہی سمجھا ادھر کو دیکھتے ہیں

تم نے دکھائی ہیں وہ چرا کر نگاہ کو جو شوخیاں کہ چھوٹ گئی تھیں نگاہ سے

مانا کہ شانِ حسن ہیں بے التفاتیاں تیری طرف نہ دیکھ رہا ہوں جب تو دیکھ

قہر آلودہ نگاہیں تری کچھ غیر نہیں آج ناراض ہے خود میری طبیعت مجھ سے

تم نے کیوں ناز سے مجھ کو دیکھا اب مجھی پر نظر ہے محفل کی

گم ہو گیا حقیقتِ وعدہ میں مدعا کچھ یاد ہو تو اُن سے تقاضا کرے کوئی

تغافل سے فزوں ہے گو غمِ دل ترحم سے ترے کم بھی نہ ہوگا

کس ادا سے ترا نقاب اُٹھا فرقِ تسکین و اضطراب اُٹھا

اللہ اللہ ترے حسن کی شہرت یعنی میری رسوائی سے خالی نہیں محفل کوئی

مثالیں شاید بہت زیادہ ہو گئیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر سلسلۂ کلام یوں ہی جاری رہا تو سارا دیوان اسی طرح ختم ہو جائیگا۔

مجھے اس کا بہت احساس ہے کہ باوجود سعی و توقع میں کچھ نہ لکھ سکا خصوصاً نثر پر تو بالکل ہی توجہ نہیں کر سکا۔

ع بپایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی

مگر اس امر کو تنہا میری "ناقابلیت" ہی پر محمول نہ کرنا چاہئے بلکہ جناب میکش کی "بلند مقامی" بھی اس کی بہت کچھ "خطاوار" ہے۔

بہرحال "میکدہ" کے مطالعہ کرنے والے کو یہ بات کبھی محو و فراموش نہ کرنی چاہئے کہ اس کے سامنے ایک ایسے شاعر کا کلام ہے جو "مادیات" سے بہت بلند ہے اور جس کا کلام تمام تر "ورائے شاعری چیزے دگر ہست" کا مصداق ہے۔ میں اس دورِ کیف میں یہ عرض کرنا ہی بھول گیا کہ "جناب میکش کو اتفاق سے کسی سے شرفِ تلمذ حاصل نہیں"

اور ہاں! خوب یاد آیا اس معاملہ میں خود ان کے ذاتی الفاظ یہ ہیں۔

"میں جیسا ہوں، ویسا ہی پبلک کے سامنے آنا پسند کرتا ہوں،
اپنے عیوب کو اصلاح کے پردے میں پوشیدہ کرنا کیا
فرض ہے"

آپ کہا کرتے ہیں "میرا کوئی شاگرد نہیں" اور جو لوگ آپ سے اصلاح لیتے ہیں اُن کے حق میں ارشاد ہوتا ہے "یہ مخصوص احباب ہیں، مجھ سے مشورہ کر لیا کرتے ہیں" درحقیقت یہ میکش صاحب کی کسرِ نفسی ہے ورنہ ان میں وہ تمام کمالات موجود ہیں جن سے بہت سے مدعیان "استادی" خالی ہیں میرے خیال میں ارباب رسائل و اخبارات سے خود کو "علامۂ وقت، ابوالفخر، سحر نگار، ابوالبیان اور لسان الہند وغیرہ وغیرہ لکھوا کر از روئے "پروپیگنڈا" استاد بننے اور حقیقتاً استادانہ شان پیدا کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

جناب میکش کا ایسا کچھ فرمانا بھی اُن کی نجابت اور عالی حوصلگی کی دلیل ہے۔ جب آپکے جدِ نامدار (روحی فداہ) نے "قاب قوسین او ادنیٰ" کے مرتبہ پر فائز ہو کر "ما عرفناک حق معرفتک" فرمایا تو وہ ایسا کیوں نہ کہیں؟ اب دوسری بات ہے کہ جس طرح وہاں صاحبانِ نظر "حق معرفت کی قید سے سب کچھ سمجھ لیتے ہیں یہاں "مشورہ کی پابندیاں بہت کچھ سمجھا دیتی ہیں

سنہ ۱۹۳۰ء کے وسط میں "میکدہ" طبع ہو چکا تھا اسلئے سنہ ۲۹ء تک کا کلام اُس میں شامل ہے لیکن بعض وجوہ سے اشاعت میں تاخیر ہوتی گئی آخر سنہ ۳۰ء بھی ختم ہو گیا اور اس عرصے میں جناب میکش نے جو کچھ لکھا وہ شامل "میکدہ" نہ ہو سکا لہٰذا اسکو بعدِ تعارف نقل کئے دیتا ہوں۔

سنہ ۱۹۳۰ء

یہیں اک آسماں بھی ہے زمیں پر — قدم رکھئے مری خاکِ جبیں پر
رکھا ہے الفتِ بے مدعا نے — مدارِ آرزو اُن کی نہیں پر
ہے خوں تسکینِ شوقِ سادہ دل کا — تری چشمِ تبسم آفریں پر
گماں ہونے لگا اے جبرِ وحشت — مرے دامن کا انکی آستیں پر
تمہارا در ہے ہم بھی جانتے ہیں — مگر اب آن بیٹھے ہم یہیں پر

جس کو پورا نہ آپ کھینچ سکے — رہ گیا ہے وہ تیر دم ہو کر
وہ خوشی جس پہ تھا مدارِ حیات — دل میں آتی ہے آج غم ہو کر

کہیں کیونکر فریبِ کارِ ہستی — بجبوری یہاں مختار ہیں ہم

یوں تری دشمنی ہے دل کو عزیز — جس طرح گرمیاں ہوں جاڑوں میں
میں ہوں یوں زیبِ خانہ ویرانی — ہو شفق جسطرح پہاڑوں میں

کے لمحے یہ شاد رہے گا دل اپنا کیا شاد کرو — جس نے چھینی راحتِ دل بہتر ہے اُسی کو یاد کرو
تم بھی تماشہ دیکھ چکے بستی بھی تم سے تنگ ہوئی — بس اب آنکھیں بند کرو اور ویرانہ آباد کرو
سب کچھ گر تم ہو نہ سکو اور غیرت ہی تو کچھ بھی نہ ہو — خود دُنیا ایجاد کرو یا اپنے کو برباد کرو

عاشقِ سرمست در سوادِ دیدہ — اندریں آئینہ خود را دیدہ
دیدِ خود را نیز گم کن جانِ من — اے کہ حق را آشکارا دیدہ

کہاں کا قصد ہے او مست جامِ بیخبری
دلوں کو زمزمِ نگاہوں کو آشنا کر کے

اگرچہ عشق ہے خود التجائے سوزِ خودی
مگر ذلیل ہوئے تم سے التجا کر کے

غلط نصیحتِ تمکیں کہ عارضی ہی سہی
سکون ہو تو گیا عرضِ مدعا کر کے

بعد کشتن بھی گماں کرتا ہے تو بسمل مجھے
اپنی صورت سے ملا کر دیکھ اب قاتل مجھے

مجھ کو دنیا نے بہت پایا مگر کھویا ہوا
تھی وہیں خلوت جہاں یاد آئی وہ محفل مجھے

میں دلیلِ مدعا ہوں میں جوابِ ہر دعا
حاصل کون و مکاں ہوں کچھ نہیں حاصل مجھے

مجھ سے منزل کا تعین مجھ سے منزل کا وجود
چاہے گر اپنے کو پانا ڈھونڈ لے منزل مجھے

بیخودی میری تری بیگانگی مہمل نہیں
دے رہی ہے دعوتِ خلوت تری محفل مجھے

دیر تک بنتا رہا غافل میں با اعلانِ سوز
دیر تک دیکھا کیا وہ جان کر غافل مجھے

تیرے جلوے کی عنایت یا مرے دل کا قصور
آج ہر ذرہ نظر آیا جوابِ دل مجھے

مرحبا میکش تری دیوانگی مقبول ہے
بوئے جاں آتی ہے تجھ سے بوئے دل مجھے

حقایق

عرصہائے گوشِ شورِ ہاؤ ہو پر تنگ کر
پردہائے چشم تذرِ جلوۂ بیرنگ کر

نغمہ ہائے معرفت سے دل کو ہم آہنگ کر
آپ سے بیگانہ رہنا ہی ہے اصل اختلاف

عیش ہائے وصل ہیں تمہیدِ غمہائے فراق
خلوتِ جامہ کو مت کر صرف بزمِ اشتقاق

اجتماعِ بزم کے معنی ہیں تجدیدِ نفاق

اتفاق اے مہرباں خود ہے بنائے اختلاف

کس کو کرتا ہے مخاطب کچھ تجھے معلوم ہے　　قوم کہتا ہے جسے اُسکا تو ہی مفہوم ہے

یعنی بے افراد کے مجموعہ خود معدوم ہے

عیب جوئی چھوڑ دے کر پہلے اپنا انکشاف

دوسرے کیوں جوش میں ہیں اسپہ تجھکو جوش ہے　　ہوش کی دیتا ہی دعوت اور خود بیہوش ہے

تو اگر خاموش ہو جائے جہاں خاموش ہے

اختلافوں کو مٹانا بھی تو خود ہے اختلاف

ضد سے ہی عرفانِ شی اے دوست یا تحصیلِ شے　　کسطرح تنقیصِ شے سے ہو سکے تکمیلِ شے

جمعِ شے مقصد ہے اور تحتِ عمل تحلیلِ شے

کیوں تلاشِ امن میں رہتا ہی مصروفِ مصاف

تجھ میں پنہاں ہی حقیقت اور تو دیوانہ وار　　ہی تلاشِ مشک میں مانندِ آہوئے تتار

غیر بینی چھوڑ خود بینی بنا اپنا شعار

آئینہ مت ڈھونڈ کر لے قلب کا آئینہ صاف

اپنی ہی تحریک ہو اور اپنی ہی تائید ہو　　عیب ہی تقلید تو مغرب کی کیوں تقلید ہو

کامیابی گر کسی کو ہو تجھے کیوں عید ہو

غیر مصروفِ عمل ہیں تو ہے مسرورِ گزاف

ناچیز

محمد عبداللطیف خاں کشتہ قادری (منشی فاضل ایچ۔ پی۔ پی ایل ای

صاحب "حیات عزیز" و "تخت طاؤس")

معلم السنۂ مشرقیہ

گورنمنٹ ہائی اسکول۔ مین پوری

مرقومہ ۱۲۔ جنوری ۱۹۳۱ء

باسمہ الجمیل

سنہ ۱۹۲۹ء

قید و اطلاق کا نقاب اُٹھا
بے حجابی اُٹھا حجاب اُٹھا

کس ادا سے ترا حجاب اُٹھا
فرقِ تسکین و اضطراب اُٹھا

تھی فنا تو مرا مقام، مگر
نہ رہے تم بھی جب حجاب اُٹھا

میں سہی صرفِ یک نظارۂ حُسن
اور جو پہلے مرا نقاب اُٹھا

حق و باطل کا امتیاز یہ ہے
امتیازات کے حجاب اُٹھا

خاکساری بھی ہے ریاکاری
ہستیٔ غیر کا نقاب اُٹھا

منزلت جان ہوش کی زاہد
لذتِ نشۂ شراب اُٹھا

سب پہ افسردگی ہوئی طاری
بزم سے تیکشِ خراب اُٹھا

کیا قیامت تھا وہ جلوہ تری رعنائی کا
تجھ سے دیکھا نہ گیا حال تماشائی کا

تذکرہ فرض ہی کیا ہے تری رعنائی کا
سچ تو یہ ہے کہ مجھے شوق ہے رسوائی کا

حیرتِ جلوہ سے چھایا ہے اندھیرا ہر سو
تیرے جلووں میں ہے عالم شبِ تنہائی کا

مجھ کو غیرت کہ تمہیں دیکھ رہی ہے دُنیا
مطمئن تم کہ تماشا ہے یہ رسوائی کا

دے نگاہوں کو نہ تکلیف تماشا جہاں
راز ہے تیری نظر میں مری رسوائی کا

جس سے بیدار ہوا تم میں حیا کا جذبہ
وہ ہی عالم تھا مرے شوق کی رعنائی کا

مطمئن ہو گئے کچھ دیکھ کے آئینے میں تم
تمہیں اندازہ کہاں عشق کی گہرائی کا

دوست مصروفِ پرستاریِ خود ہی میکش
معتبر آج نہیں زعمِ شناسائی کا

شبِ فرقت کی تاریکی میں شامل ہے غبار اپنا
اسی صحرا میں لوٹا عشق نے عہدِ بہار اپنا

مٹا گلشن تو اُٹھ کر خاکِ گل سے ہم کہاں جاتے
جہاں گلشن تھا پہلے اب وہیں پر ہے مزار اپنا

ترے جلووں میں گم ہوں یا تری فرقت میں مٹ جائیں
یہ ہم سمجھے ہوئے ہیں ہی فنا انجام کار اپنا

ہجومِ یاس میں بیگانگی کا شکوہ کس سے ہو
نہ ہم اپنے نہ دل اپنا نہ جاں اپنی نہ یار اپنا

کہاں اب وہ سرورِ دورِ اوّل بزمِ ہستی میں
جسے کہتے ہیں دُنیا ہے وہ اے میکش خمار اپنا

چھا گیا دل پہ اضطراب کا رنگ
ہے مگر یہ ترے شباب کا رنگ

عشق ہی ہے تہِ نقابِ جمال
کہہ رہا ہے تری نقاب کا رنگ

شوق میں یاں یہ شانِ تمکیں ہے
واں تغافل میں اضطراب کا رنگ

یاں جوابوں میں ہے سوال کا طور
واں سوالوں میں ہی جواب کا رنگ

یاں نہیں جز ظہورِ یک جلوہ
دیکھ ہر شے میں آفتاب کا رنگ

اس نے دیکھی کمالِ عشق کی شان
جس نے سمجھا ترے شباب کا رنگ

دوست سب کا ہے اور کسی کا نہیں
دیکھنا میکشِ خراب کا رنگ

دل پر تو حقیقتِ حسنِ مجاز ہے
آئینہ عکسِ حیرتِ آئینہ ساز ہے

اے دوست ہے حریفِ فنا خوئے غم مجھے
ہر غمزہ ورنہ قیمتِ عمرِ دراز ہے

اے ذوقِ جلوہ چاہیے کچھ امتیاز بھی
کیوں ہر نگاہ پردۂ آئینہ باز ہے

یہ انتخاب ضامنِ عصمت ہے خود مگر
میں پاکبازیوں ہوں کہ تو پاکباز ہے

میں شاد ہوں کہ صرفِ یک اندازِ جلوہ ہوں
میرا جنوں نمائشِ زلفِ دراز ہے

ہوں طالبِ فنا میں بہ عنوانِ ہر جنوں
ہستی مری گناہِ محبت کا راز ہے

ہے ہر نگاہ دامِ محبت لئے ہوئے
کہتے ہیں یہ ہی میکشِ نظارہ ساز ہے

اعتبارِ منزل کیا، ذوقِ جستجو ہی ہے
کامیابیِ دل کیا، کیفِ آرزو ہی ہے

ترکِ جستجو کرکے دل کا مدعا پایا
ترکِ جستجو لیکن فیضِ جستجو ہی ہے

مے بقیدِ ساغر ہے ہم بقیدِ آزادی
کیفِ سوزِ تنہائی ساغر و سبو ہی ہے

آبرو جسے کہئے کچھ نہیں بجز پندار
یاں شکستِ ہر پندار اپنی آبرو ہی ہے

تو حقیقتِ کل ہے وہم غیر باطل ہے
بلکہ وہم باطل بھی حق تو یہ ہی تو ہی ہے

زلفِ مشکبو کا غم دل کو وقف کیوں کرلے
دل کو جو کرے برہم زلفِ مشکبو ہی ہے

جس جگہ نظر ٹھیرے وہ حجاب ہی اُسکا
دے نظر کو آزادی پھر وہ روبرو ہی ہے

یہ فریبِ تسکیں ہے ترکِ آرزو معلوم
ترکِ آرزو میکش یہ بھی آرزو ہی ہے

محبت کو میری غرض تم سے کیا ہے
طبیعت کا دل کی یہی مقتضا ہے

خدا جانے دل کو مرے کیا ہوا ہے
تمہیں سے خفا ہے تمہیں پر فدا ہے

تغافل ہی انجام سے اپنے بہتر
تری بے رخی سے مری ابتدا ہے

میں خود معنیٔ حسن ہوں اے ستمگر
مگر کچھ جدائی میں تیری مزا ہے

تمہارا ستم عین میری محبت
کسی پر کیا تم نے مجھ پر ہوا ہے

جنوں میرا دونوں جہاں میں مسلّم
تمہیں بھی مگر چھیڑنے کا مزا ہے

میں اس دورِ ہستی میں وہ دائرہ ہوں
کہ ہر انتہا پر مری ابتدا ہے

نہ کچھ کہہ سکا میں نہ کچھ وہ ہی سمجھے
بہت دیر سوچا کہ کیا مدّعا ہے

مجھے اپنے ہونے کے ہیں لاکھ شکوے
کیا تم سے شکوہ یہ اپنا گلا ہے

ذرا میں نے دیکھا کہ وہ چونک اُٹھے
تف اے جذب دل یہ بھی کیا مشغلا ہے

ہے مردودِ دیر اور کعبے سے فارغ
نہ مومن نہ کافر یہ دل کیا بلا ہے

میں ہر فلسفے کی حقیقت ہوں میکش
مرے سامنے ہیچ ہر فلسفا ہے

میں ہوں لازم اُلفت کو مجکو لازم اُلفت ہے

میں ہوں اپنی ضرورت سے مجھ سی میری ضرورت ہے

بعد ہر اک ناکامی کے بڑھتی ہے اُمید مگر،

پہلے تمہارا شکوہ تھا اب اپنی بھی شکایت ہے

تیرے ستم کا کیا شکوہ تیرے کرم کا کیا کہنا

جب بھی دل میں حسرت تھی اب بھی دل میں حسرت ہے

بدلا ہے اے شکوۂ دل کیا معیار تمنا کا
ورنہ جیسی پہلے تھی اب بھی اُن کی عنایت ہے

تجھ میں خوئے ستم ہے ہو۔ دل کو کیوں ہے لذتِ غم
شاید میری طبیعت میں شامل تیری طبیعت ہے

اب تو غمِ جانسوز ہی ہے۔ شادیِ دل افروز بھی تھی
آپ کا قبضہ پہلے تھا اب تو ہماری حکومت ہے

یا غم میں بھی لذت تھی یا لذت میں بھی ہے غم
جس کی محبت راحت تھی اُس کا تصور آفت ہے

یا وہ خود بھی میکش تھے یا اب میکش خود ہی نہیں
کس سے شروعِ الفت تھا کیا پہ مآلِ الفت ہے

جو کی تیری تمنا تو تمنا تھی مجھے غم کی
تمنا سے مگر سازش تری نظروں نے کیا کم کی

نہیں موقوف کچھ ملنے نہ ملنے پر ترے ظالم
مرے دل سے نہ جائیگا یہ فطرت ہی ترے غم کی

تقاضا دردِ دل کا ہی کہ لیکر مجھ کو اُڑ جائے
جسے کہتے ہیں نالہ کوشش ناکام ہے رم کی

تمہیں جب دیکھتا ہوں چاہتا ہی جی کہ مٹجاؤں
خدا جانے یہ کیفیت مسرت کی ہے یا غم کی

خلش خارِ تمنا کی ہے وجہ زندگی مجھ کو
وفا کا کیا کروں شکوہ جفا بھی آپنے کم کی

جو چمکی برق باراں میں جو تڑپی موج طوفانیں
نظر میں پھر گئیں شانیں کسی کے حسنِ برہم کی

نہ چھیڑو سازِ عشرت اور تھوڑی دیر دم لیلو
نہ کردے پست نغموں کو صدا میکش کے ماتم کی

دیکھنے پر ترے موقوف نہیں وحشتِ دل
تو نہ دیکھے تو یہ انداز بھی قاتل ہو جائے

حیرتِ جلوہ محافظ ہے خودائے پردہ نشیں
تو چلا آئے تو یہ بزم ہی محمل ہو جائے

تم سے ہوگا نہ تمنائے فنا کا درماں
کاش دل ہی سبب برہمی دل ہو جائے

موت گو ترکِ تمنا ہو تو آساں ہے مجھے
منتظر یہ ہوں کہ تو ظلم میں کامل ہو جائے

میں ہوں آزاد ہر اک رنگ سے میکش لیکن
دل کو سودا ہے کہ ہر رنگ میں شامل ہو جائے

ترے پردے کا شکوہ تجھ سے یہ بھی چھیڑ ہے ورنہ
سبب جو میرے مٹنے کا ہے وہ ہی وجہ ہستی ہے

خرابِ شانِ استغنائے ساقی ہوں میں اے رندو
مجھے ساقی کو سجدہ بھی خلافِ شانِ مستی ہے

مرے دل اور تیری نظروں میں نسبت ہے برابر کی
تجلی ایک ظاہر کی ہے اک تصویر مظہر کی

بری حالت ہے سنتے ہیں کسی کے قلب مضطر کی
مبارک ہوں تمہیں آرائشیں زلفِ معنبر کی

جسے تقدیر کہتے ہیں وہ ہیں تدبیر کے معنی
جسے تدبیر سمجھے ہیں وہ صورت ہے مقدر کی

اطلاق سے فزوں ہوں تقید سے بروں ہوں
گو میں کہیں نہیں ہوں لیکن کہاں نہیں ہوں

بیٹھے ہیں گیسوؤں کو پریشاں کئے ہوئے
میرے جنوں کو حسن کا عنواں کئے ہوئے

مدحتِ امیر المومنین علیہ السلام

(ناتمام)

ہے تیری ولا علامتِ دیں — جو تجھ سے پھرا ہوا وہ ناری
تو نفسِ رسول ہے سراپا — تفضیل کی بحث خامکاری
ق
تو اور خلیفۂ بلا فصل — ہے عقل سے مغز جوش عاری
اوّل ہے تو ہی تو ہی ہے آخر — محدود نہیں ہے نورِ باری
کعبے میں ترا تولدِ خاص — برہانِ وجودِ پاک باری
میں اور ثنائے پرتوِ حق، — چارہ بھی نہیں کہ ہوں بچاری
شاہوں سے فزوں مرا تجمل — یعنی ترے در کا ہوں بھکاری

میکشؔ مرا مرتبہ نہ پوچھو
ہوں پنجتنی و چار یاری

غیرتِ محبّت

بیزار سب سے ہی دل، تم سے خفا ہی یعنی — پھر ترکِ آرزو کا سودا ہوا ہے یعنی
ہے غیرتِ محبت ناقابلِ تحمل — دُنیا پہ یہ ترحم اور ہمسے یہ تغافل
یہ درد کہتے کہتے گو ہو گیا زمانہ — اے مہرباں مگر اب ہے ختم یہ فسانہ

کرتا ہوں عرض تم سے فرقت کی جب مصیبت
کہتے ہو تم مجھے بھی ہے تم سے سخت زحمت

جب پوچھتا ہوں کیوں ہے اور دو نہ مہربانی
کہدیتے ہو "طبیعت" اللہ رے روانی

بولے کبھی نہ منہ سے ہنگام مہربانی
اب آگئی کہاں سے یہ قوتِ بیانی

ثابت ہوا کہ کوئی دل کی دوا نہیں ہے
غم ہے تمہارا لیکن غم میں مزا نہیں ہے

مقصود عاشقی سے تھی دل کو غم کی لذت
روٹھے پہ کس سے کہیے اب رازِ حسنِ صورت

میں اور یہ تنزل میں اور عشقِ صورت
آئینہ ڈھونڈتی ہے کیفِ خودی کی فطرت

میں عشق کا ہیولا اور شکل میری تم ہو
باطن میں ہیں ہی میں ہوں ظاہر میں تم ہی تم ہو

اطلاق میرا عالم، تقیید تم سے رنگیں
مجھسے فنا کی زینت ہستی کی تم سے تزئیں

تم کیا ہو جو نہ آؤ جذبِ دروں نہیں ہے؟
تکمیل غم ہے لیکن مقصد جنوں نہیں ہے

عقل

ہر ذرّے کو یقین کہ میں آفتاب ہوں
شرمندہ آفتاب کہ میں خود حجاب ہوں

ہے مدعی سراب کہ میں عینِ آب ہوں
اور منفعل ہے آب کہ میں بھی سراب ہوں

بیکار ہے یقیں کی طلب عقلِ خام سے
یاں امتیاز صبح کا ہوتا ہے شام سے

حقیقتِ صبح

ہر صبح صبحِ روزِ ازل کا ظہور ہے
ہر اک شعاع حاملِ صد برقِ طور ہے
ایک ایک ذرّہ معنیِ اللہ نور ہے
سمجھیں نہ ہم تو فہم کا اپنے قصور ہے
پردہ الٹ کے دیکھ لو شب کی نقاب کا
سارا جہاں ظہور ہے اک آفتاب کا

طوفانِ ضو ہے بحرِ تجلی میں جوش ہے
ہر موجِ نور برقِ تحیر بدوش ہے
اب حسنِ مستِ غمزہ کو احساسِ ہوش ہے
انجامِ دل سمجھ کے محبت خموش ہے
ہوتا ہے حکم جلوۂ حیرت پناہ سے
دیکھے کوئی نگاہ ملا کر نگاہ سے

صبحِ بہار

آخر شبِ خزاں ہوئی صبحِ بہار ہے
رنگِ شکستِ سلطنتِ زلفِ یار ہے
پھولا اُدھر شفق ہے اِدھر لالہ زار ہے
یہ اُس پہ ہے نثار وہ اِس پر نثار ہے
لالے پہ اوس ہے کہ ستارے شفق میں ہیں
درِّ عدن مگر کسی لعلیں طبق میں ہیں

ہے منظرِ بہار پہ چھائی بہارِ صبح
گلشن کا ہر شجر ہے گلِ شاخسارِ صبح
ہر غنچہ ہے حبابِ لبِ جوئبارِ صبح
ہر گل ہے صرفِ پرتو آئینہ زارِ صبح
جوشِ جنوں میں دامنِ شب تار تار ہے

شامل بہارِ صبح میں صبح بہار ہے

پھولا شفق، ہے آمدِ خور، اب سحر ہوئی — بزمِ فلک پہ لال پری جلوہ گر ہوئی
تارے بڑھے تو دزدوں کو فکرِ سفر ہوئی — اُٹھے نمازی ختم نمازِ سحر ہوئی
انجم چھپے وہ دور چلے آب و تاب کے
یعنی پیالے ہو گئے خالی شراب کے

نکلی ہے یوں شعاع افق کے حجاب سے — جیسے کوئی حسین ابھی چونکا ہو خواب سے
ضو کا فریب دور کیا ماہتاب سے — دیکھا ہر اک طرف نگہِ فتحیاب سے
ہر ذرے کو سبق دیا اللہُ نور کا
دے دے کے حس بنایا مکلف ظہور کا

جنگل بسا ہوا ہے ہوا عطر بار ہے — سبزہ حریفِ نافۂ مشکِ تتار ہے
پانی کی لہر گیسوئے عنبر فشار ہے — طالع ہوئی سحر کہ طلوعِ بہار ہے
ممتاز کر کے فاصلے نزدیک و دور کے
انعام بٹ رہے ہیں نگاہوں کو نور کے

بیداریِ ہوا میں ہے عالم خمار کا — پیدا ہوا یہیں سے مزہ انتظار کا
آئینہ ہے فلک چمنِ زرنگار کا — ہر قطرہ آفتاب ہوا جو بہار کا
غنچوں کے چھڑنے کو دکھاتی ہیں آئینے
موجیں تڑپ تڑپ کے بناتی ہیں آئینے

اُٹھا غبار افق سے وہ آیا سوارِ صبح — فوجِ شعاع لیکے بڑھا تاجدارِ صبح
ہنس کر طیورِ صبح سے بولی بہارِ صبح — نغموں کے ہار کیجئے نذرِ نگارِ صبح

کشتی گُل پہ لے کے کٹورا گلاب کا
شبنم چلی دُھلانے کو مُنہ آفتاب کا

گل کاریوں میں محو ہے قدرت کا باغباں
فصلِ بہار اُدھر اور اِدھر صبح کا سماں
آنکھیں وہ محوِ دید بتاں ہیں کہ الاماں
لینا ہے آج عصمتِ الفت کا امتحاں

جلووں میں تار تار گریبان ہوش ہے
دل ہے کہ وقفِ بیخودیِ مرگ کوش ہے

حُسنِ عمل

ہے جائے عمل دُنیا اور منظرِ عبرت بھی
کر آپ بھی کچھ، اور دے اوروں کو نصیحت بھی
دُنیا کی محبت ہی ہے اصل بُرائی کی
آغاز میں ذلت ہے انجام میں حسرت بھی
جذبات کی سب قیدیں احساس کے دم سے ہیں
آرام کی گھڑیاں بھی ایام مصیبت بھی
واقع میں نہیں کچھ بھی سب حدِ نظر تک ہے
آبادی کی رونق بھی ویرانے کی وحشت بھی
افسانہ ہے اور وہ بھی معلوم نہیں کب تک
جمشید کی عشرت بھی قارون کی دولت بھی
انجام کو دیکھو تو ذلت کی نمائش تھی
فرعون کی عزت بھی نمرود کی سطوت بھی
بے رنگ سے خاکے تھے تصویرِ جوانی کے
وہ عشقِ زلیخا بھی یوسف کی صباحت بھی
بیکار ہیں سب باتیں جز حُسنِ عمل غافل
یہ جسم کی زینت ہے اور روح کی راحت بھی

فانی ہے تنِ خاکی ہے روح مگر باقی
ہاں روح بھی باقی ہے اور روح کی حالت بھی
حالت ہے وہی جو کچھ اس جسم میں حاصل کی
عصیاں کی مصیبت بھی اور عشرتِ عصمت بھی

اچھا ہی تو اچھائی اوروں پہ بھی ثابت کر
تو گل ہے تو لازم ہی گل کے لئے نکہت بھی

کچھ شکرِ کرم کر بھی انعامِ کرم لیکر
مخلوق کی خدمت کر خالق کی اطاعت بھی

رفعت میں تو بے ہمتا جلوے بھی ترے یکتا
دی عقل بھی خالق نے بخشی تجھے قوت بھی

اپنے سے جو الفت ہی لازم ہے غمِ الفت
جب آئینہ دیکھے، تو کر لے غمِ سیرت بھی

منشا تری خلقت کا کیا صرف برائی ہے
کیا تیری طرح جاہل ہے صانعِ قدرت بھی

ہر جرم حقیقت میں خود اپنی تباہی ہے
ہر جرم میں شامل ہے خود اسکی حقیقت بھی

تو جامعِ عالم ہے اوصاف ہیں سب تجھ میں
پوشیدہ ترے اندر ہے نور بھی ظلمت بھی

شیطان و فرشتہ کیا، دو نام ہیں یہ تیرے
سرحد میں ترے دل کی عصیاں بھی ہی عصمت بھی

اب یہ تری ہمت ہے چاہے جسے حاصل کر
خود تیری ہی ہستی میں دوزخ بھی ہی جنت بھی

دے دادِ شباب دل لے درس کتابِ دل
میکش کی غزل بھی سن میکش کی نصیحت بھی

مدارائے ہوس

کئے جا جو ترا جی چاہے میرا کیا ہے دنیا میں
مجھے جانا ہے دنیا سے تجھے رہنا ہی دنیا میں

حقیقت کا میں جویا اور تو منکر حقیقت کا
جو خود دشمن ہو اپنا اس سے کیا موقع شکایت کا

جو پابندِ ہوس ہو راز کیا سمجھے محبت کا
ہے قیدِ جسم سے معیار بالا اپنی الفت کا

تری حدِ نظر شاہد فروشی کی دوکاں تک ہے
مری پرواز کی وسعت مکاں سے لامکاں تک ہے

میں ہوں پردے کے اندر اور تو پردے کو تکتا ہے
ہے لیلیٰ میرا مقصد اور تجھے محمل پہ سکتا ہے

جو شاہد ہیں زمانے کے مری عصمت کے شاہد ہیں
جو مسجودِ زمانہ ہیں وہ میرے در پہ ساجد ہیں

ستاروں تک نظر تیری ہیں خود خورشید خاور ہوں
اگر تیرے برابر ہوں تو کافر کے برابر ہوں

ہوس معبود تیرا اور مرا مقصود ناکامی
تجھے لذت بُرا کہنے میں مجھ کو ذوقِ بدنامی

مری بدنامیوں میں ہیں مری آزادیاں پنہاں
مری ناکامیوں میں ہیں مری خودداریاں پنہاں

تری معراج بدگوئی مری تسکین خاموشی
ہے تیرا افترا شیوہ مری عادت خطا پوشی

علاج اپنی بُرائی کا سمجھتا ہے تو بدگوئی
بھلا تو کب ہوا اگر ہو گیا ثابت بُرا کوئی

ترے فقرے ہوئے بادِ شتر بازار طفلاں میں
تجلی بن کے اُتری نظمِ مہکش قلبِ پاکاں میں

تکبر تیری عزت ہے تواضع میری عزت ہے

تری رفعت میں پستی ہے مری پستی میں رفعت ہی
وہ کیا عزت ہے جو حاصل ہو دُنیا کی مذلت سے
وہ جلبِ نفع کی خاطر ہو یا خوفِ مضرت سے
وہ کیا عزت ہی دیکھیں جس کو اہلِ حق حقارت سے
وہ کیا عزت ہے سمجھے جس کو دُنیا اپنی نسبت سے
حقیقت میں ہر اک پستی کی ہے تعمیر رفعت سے
تعدد پستیوں کا ہے یہاں تعبیر رفعت سے
مری عزّت عمل سے ہے مری عظمت ہی محنت میں
مری قوت ہے تقوے سے مری زینت مصیبت میں
مقامِ عشق میں دار و رسن معراج ہے مجھ کو
میں شاہِ دل ہوں طعنِ اہلِ دُنیا تاج ہے مجھ کو
مجھے غلطیدگیِ خاک و خون ہی شان و شوکت ہے
مجھے گلکاریِ دستِ جنوں ہی زیب و زینت ہے
نہ بڑھ جاتی ہے مجھ میں کوئی شے دُنیا کی عزت سے
نہ ہو جاتا ہے کم کچھ اہلِ ظلمت کی مذلّت سے
حقیقت بے نیازِ این و آں ہے این و آں کیا ہے
حقیقت بے نیازِ دو جہاں ہے دو جہاں کیا ہے
مجھے آتا نہیں ہے حال بے معنی سلاموں پر
مکیف میں نہیں محفل میں انگلی کے اشاروں پر

نہ مجھ کو دعوئ علمی نہ مجھ کو لاف عرفانی
نہ کاکل زینتِ تقویٰ نہ تسبیح سلیمانی

ہے میرا اعترافِ جہل دانائی حقیقت میں
غرورِ بے گناہی ہے گنہگاری محبت میں

چھڑا دے اہلِ حاجت سے مرے در کی زمیں بوسی
حسد سے ہو تجھے تسکیں مجھے غم سے سبکدوشی

میں قیدِ رسم سے آزاد ہوں یہ ہے مرا مسلک
میں باطل کے لئے جلاد ہوں یہ ہے مرا مسلک

تو بد ہے میں مگر تیری بدی سے بھی نہیں ڈرتا
جو ڈرتا ہے خدا سے وہ کسی سے بھی نہیں ڈرتا

مکمل اپنی آزادی میں ہو کر عینِ فطرت ہوں
سمجھ کر مجھ کو کچھ کہنا کہ میں تیری حقیقت ہوں

سنہ ۱۹۲۸ء

قسمتے نیست بہ اغیار ز پیمانۂ ما
لا الٰہ ست کلید درِ میخانۂ ما

ہست سوزِ دلِ ما مطلعِ دیوانِ وجود
دین و دنیا ہمہ حرفے ست ز افسانۂ ما

ساکنانِ حرم بیخودی و سرِّ دلیم
بگذر از خویش بیائی چو بہ کاشانۂ ما

نہ نہادہ ست جبیں غیرتِ ما پیشِ کسے
با دلِ خویش مسلم شدہ یارانۂ ما

مستیٔ ماست ز فیضِ شہِ جیلاںؒ میکش
اے خوشا بخت و زہے رفعتِ پیمانۂ ما

تغافل سے فزوں ہے گو غمِ دل
ترحم سے ترے کم بھی نہ ہوگا

خوشی کی جستجو اے دوست غم ہے
خوشی کو بھول جا غم بھی نہ ہوگا

نہ ہونیکا ہے غم ہونے سے میرے
نہ ہونگا میں تو یہ غم بھی نہ ہوگا

نہیں ہے تنگ دل بے مائیگی سے
نہ ہوگا کچھ تو کیا غم بھی نہ ہوگا

مٹے ہم گو جوانی پر تمہاری
کوئی دن میں یہ عالم بھی نہ ہوگا

سودا نظر کا درد جگر کا کہاں گیا
یہ آفتیں بھی ساتھ گئیں میں جہاں گیا

ثابت ہوا یہ ہے ترا اندازِ مستقل
دل سے تری نگاہِ کرم کا گماں گیا

تنہائیِ فراق کا قصہ فضول ہے
جب تو گیا یہاں سے تو سارا جہاں گیا

اے یاس دشت ہی کو جو منزل بنائیے
اب یادِ کارواں ہے عبث کارواں گیا

پہچانتا ہے میری نظر کو ہر اک حسیں
مجھ پر بلائیں ٹوٹ پڑیں میں جہاں گیا

اُن کی نظر سے کون کہے دل کا ماجرا　　اے حیرتِ خرابی دل میں کہاں گیا
وہ دن کہ جب تھی صحبتِ میکش سرورِ دل
وہ دور وہ زمانہ اب اے مہرباں گیا
جنازہ کشتۂ حسرت کا مرقد کے قریں آیا
نہیں آیا وہ کافر دیکھ لو اب بھی نہیں آیا
مقرر ہے بیخودی آنے کی اُس کے اور خلش مُنکر
تجھے کچھ ہوش ہے ہمدم وہ آیا یا نہیں آیا
ترے سر کی قسم اے دوست ہم ممنون ہیں لیکن
ہماری یاد اب آئی ہے جب دشمن نہیں آیا
نہیں ہے کیا یقیں تم کو مری بیتابیِ دل کا
مرے سینہ پہ رکھو ہاتھ، کیوں اب تو یقیں آیا؟
یہ تم غیروں کی جانب دیکھ کر کیا مسکراتے ہو
ہمیں خود اعتبارِ وعدۂ فردا نہیں آیا

جلوہائے نقاب نے مارا　　اس نمودِ شباب نے مارا
خونبہا کیا ہے اُن نگاہوں کا　　جن کو تیری نقاب نے مارا
جب پڑی تو نظر تمہیں پہ پڑی　　صحبتِ انتخاب نے مارا

درد جب بڑھ کر بہ اندازِ فغاں ہو جائیگا　　چپ ہونگا میں تو تو میری زباں ہو جائیگا

بے مری نظروں سے اوجھل تجھ کو ممتنع
قتل کر کے مجھ کو تو بھی نیم جاں ہو جائیگا

جذب ہونے دو مجھے جلووں پہ پھر تم دیکھنا
ناز معشوقاں نیاز عاشقاں ہو جائیگا

ہے سہل ممتنع مضمون ایسا ایسے عنوان پہ
نہیں کی داستاں لکھی ہے میں نے آپکی ہاں پہ

غضب تو نے بتائی اپنی نزدیکی رگِ جاں سے
رقابت کی نظر پڑنے لگی میری رگِ جاں پہ

نہ کیجے سرد کیفیت ابتدائے عشق کی گرمی
نظر بیگانہ دوش مت ڈالئے عشاقِ نازاں پہ

تمہیں جلنے سے پروانوں کے ہمدردی نہیں کچھ بھی
تری آنکھ کیا کیا گریہ شمعِ فروزاں پہ

مرے دل اور نظر کو اپنی خود ہی تعریف کرنے
تو کافر ہے مگر ہم چھوڑتے ہیں تیرے ایماں پہ

ترے لطفِ گذشتہ کو بیاں کرتے ہیں وہ آنسو
جو جم کر آج پیکاں ہو گئے ہیں تیر مژگاں پہ

قسم ساقی کی ہیں وہ رند عالم سوز ہوں میکش
کہ دنیا ایک دھبہ ہے مری ہمت کے داماں پہ

نہ پوچھو کس لئے زخم جگر کو دیکھتے ہیں
اس آئینے میں تمہاری نظر کو دیکھتے ہیں

دمِ فنا تری پہلی نظر کو دیکھتے ہیں
ہم آج شام میں شامِ سحر کو دیکھتے ہیں

کچھ اس طرح ہوئیں تقسیم شوخیاں اُن کی
ہر ایک نے یہی سمجھا ادھر کو دیکھتے ہیں

شکستِ دل کا یہاں اب خیال ہو کسکو
تمہاری آنکھوں میں کیفِ ظفر کو دیکھتے ہیں

کہاں کہاں ہے خلش درد کی معاذ اللہ
کہاں کہاں تری ترچھی نظر کو دیکھتے ہیں

بہت بلند ہے میری نگاہ اے میکش
وہ اور ہوں گے جو عیب و ہنر کو دیکھتے ہیں

آ عاشقوں میں بیٹھ فنا عاشقوں سے سیکھ
یہ حسن بھی حجاب ہے اے بیحجابِ حسن

تجھ سے بھی کچھ فزوں ہے مرا دل سو واسطہ
تو انتخابِ عشق ہے دل انتخابِ حسن

وجدانِ ذوقِ جلوہ بغیر آئینہ نہیں
یعنی مری نگاہ میں دیکھ شبابِ حسن

کہتے ہیں جسکو عشق وہ ہے حسن کا نزول
گویا نہیں سوائے محبت حجابِ حسن

ہم نے تجھے جو قبلۂ الفت بنا دیا
یہ حسنِ انتخاب ہے اے انتخابِ حسن

.....

یوں اپنے وحشیوں کو نہ دیکھا کرے کوئی
کیوں رازِ التفات کو رسوا کرے کوئی

گم ہو گیا حقیقتِ وعدہ میں مدعا
کچھ یاد ہو تو اُن سے تقاضا کرے کوئی

افسانہ کامیابیِ دل کا نہ پوچھئے
اک قطرہ بھی اگر ہو تو دریا کرے کوئی

کیوں جلوہائے خاص سرِ بزمِ عام ہوں
کیوں میرے انتخاب کو رسوا کرے کوئی

دل کو جلا کے خاک نہ کر دے وہ نامراد
کیا فرض ہے کہ تیری تمنا کرے کوئی

دل کو نہیں حقیقتِ عالم سے کچھ غرض
مطلب یہ ہے خرابِ تماشا کرے کوئی

سب کچھ ہے اور کچھ نہیں میکش یہ حال ہے
میرا سا اعتبار تو پیدا کرے کوئی

قہر آلود نگاہیں تری کچھ غیر نہیں
آج ناراض ہے خود میری طبیعت مجھ سے

جانتے ہو کہ یہ بیزار ہے خود آپ سے بھی
ورنہ کیوں کرتے ہو تم میری شکایت مجھ سے

کثرتِ جلوہ سے ہر ذرہ ہے آئینہ مرا
اب تو دیکھی نہیں جاتی مری صورت مجھ سے

چاہتا میں بھی ہوں زاہد کی طرح ترکِ سماع
چھوٹتی ہی نہیں میکش مری فطرت مجھ سے

وہ راز تھا سکونِ خلش راحتِ فراق
جو تھی تری نگاہ مکرر لئے ہوئے

کیفِ خودی میں آج میں دنیا پہ چھا گیا
ہاتھوں میں تیری زلف معنبر لئے ہوئے

یہ بیخودیِ شوق تو ہے اور شے مگر
رہتے ہیں ہم بھی آپ کو اکثر لئے ہوئے

رنگیں بہت تھا عالمِ گمگشتگی کہ میں
چونکا تو دل میں فتنۂ محشر لئے ہوئے

تعبیرِ سوزِ غم سے میں کرتا نہیں مگر
ہے میری ایک شانِ ستمگر لئے ہوئے

ہمیں اچھے نہیں لگتے تماشا دیکھنے والے
تجلی خود نہ کیوں بن جائیں جلوا دیکھنے والے

زہے اے حیرتِ جلوہ تجھی کو مرحبا کہئے
نہ جلوا ہی رہا باقی نہ جلوا دیکھنے والے

یہی ہے اوّل و آخر مسرت کے فسانوں کا
سُن اے میری مصیبت کا تماشا دیکھنے والے

مجھے بے پردہ کر کے آپ جا بیٹھا ہے پردہ میں
نکل پردے سے او میرا تماشا دیکھنے والے

نہ پوچھو حال کچھ حیرت کا برہم رنگِ محفل ہے
نہ وہ تم ہو نہ وہ جلوہ نہ وہ میں ہوں نہ وہ دل ہے
وہ کہتے ہیں محبت اور ہوس میں فرق ہی کیا ہے

نہیں مرتا میں لیکن بات مرجانے کے قابل ہے
مرے دل کی خلش مجھ کو فنا ہونے نہیں دیتی
یہاں ورنہ ہر اک جلوہ مٹا دینے پہ مائل ہے

تم پر ہی طبیعت ہے افتادِ طبیعت کی
تم سے ہی محبت ہے تقدیرِ محبت کی
دیوانہ ہوں میں پھر بھی غیرت ہی شرافت کی
لیکن ترے غصے میں ہے شانِ مروت کی
تم اور ہو آمادہ اس طرح ترحم پر
قسمت میں تباہی تھی ناکامِ محبت کی
دل نے بھی تمہیں تاکا تم نے بھی جلایا دل
دل نے بھی قیامت کی تم نے بھی قیامت کی
تقصیر جو پوچھو تو میرے ہی جنوں کی ہے
تم نے جو شرارت کی ہے عمر شرارت کی
کچھ دیکھ کے میکش کی الفت کا یقیں کرنا
ہر بات میں شوخی ہے اس رندِ طبیعت کی

کچھ اور بات نہیں تو عبث حجاب میں ہے
خراب ہونے کی عادت دلِ خراب میں ہے
تو لاجواب سہی دل کا بھی جواب نہیں
تو انتخاب سہی دل بھی انتخاب میں ہے
بتوں کا عشق ہے کفارۂ گنہ واعظ
شمار اس کا گنہ میں نہیں عذاب میں ہے
برائی کچھ مری تقدیر ہی میں ہے ورنہ
وہی جنوں میں ہے جو آپ کے شباب میں ہے
خدا ہی بیکسیِ دل کی آبرو رکھے
شباب تجھ پہ ہے تو عالمِ شباب میں ہے

لو ختم ہو گئے ہم بالیں سے دوست سر کے
طی ہو گئے قضیئے دم بھر میں عمر بھر کے
پوچھو نہ حال دل کا آتا ہے یاد کیا کیا
تازہ ہیں ہر خوشی میں سب داغ عمر بھر کے

ہوش آگیا مکرر بس کر عتاب بس کر
پھر اک نگاہ ہنس کر صدقے تری نظر کے

وہ پچھلی داستانیں کچھ کہہ تو یاد آئیں
ہمدم وہ دن وہ راتیں منظر تھے رہگذر کے

میکش کے دم سے تازہ اگلی شرافتیں ہیں
اب آدمی کہاں ہیں اس دل کے اس نظر کے

حاصلِ صد دل ہے میری نالہ سامانی مجھے
تم پریشاں ہوگئے یہ ہے پریشانی مجھے

وہ تری پہلی نظر اور وہ مری دیوانگی
ایک حیرانی تجھے ہے ایک حیرانی مجھے

تجھ سے کچھ شکوہ نہیں ظالم ترے سر کی قسم
دل پہ کچھ قابو نہیں یہ ہے پریشانی مجھے

جاں بلب ہوں میں تمہیں شکوہ ہے جذبِ حسن سے
بیکسی کی موت مارے گی یہ نادانی مجھے

چراغِ طور کیا ہے گل چراغِ طور ہو جائے
وہ کیا جلوہ ہے جو پابندِ سمت و نور ہو جائے

مجھے منظور ہے جو آپ کو منظور ہو جائے
ستم ہو یا کرم جو کچھ بھی ہو دستور ہو جائے

مری گم گشتگی منزل ہے منزل کسکو کہتے ہیں
خیال آجائے منزل کا تو منزل دور ہو جائے

مٹاتا ہے مجھے گو تیرا اندازِ ستم لیکن
قیامت وہ ہے جب تو رحم پر مجبور ہو جائے

کشاکشِ وصل و فرقت کی ہے اپنے زعمِ باطل سے
تمہیں تم ہو جو میکش درمیاں سے دور ہو جائے

تم ہو یا موت کی دغا اس نے
جس کو جینے کا آسرا سمجھے

سادگی ابتدائے الفت کی
شوخیوں کو تری حیا سمجھے

گریۂ ناتمام عیب نہیں،
آپ ہنسنے سے تیر کیا سمجھے

سجودے بآں مستِ محشر بگامے
ز تیکش نہ زندے زبر بادِ جامے

خرابم ازاں چشمِ میگوں خرابم
بہ ساغر بہ مینا بہ بادہ بہ جامے

نمازم ہمیں بس کہ دارم خیالش
سجودے رکوعے قعودے قیامے

غرض آفتی جانِ محزونِ مارا
بہ قہرے بہ مہرے سکوتے کلامے

من آں عاشقِ کامیابم کہ دارم
سرِ درد خواہے دلِ درد کامے

جنونم بیافزود امروز میکش
تبسم نگاہے تموج خرامے

کیفِ خودی

میں کچھ سمجھوں یا کچھ بھی نہیں ہشیار ہوں یا غافل میں ہوں
رہرو میں ہوں رہزن میں ہوں جادہ میں ہوں منزل میں ہوں

یہ معرکۂ حسن و الفت سرخی ہے مرے افسانے کی
مجنوں میں ہوں صحرا میں ہوں لیلا میں ہوں محمل میں ہوں

ہوتے ہیں عطا نسبت سے مری ہر شے کو یہاں القابِ وجود
دریا میں ہوں کشتی میں ہوں طوفاں میں ہوں ساحل میں ہوں

تو کیا جانے تو کیا سمجھے رنگِ مجلس دابِ محفل
زیبائشِ یک محفل تو ہے آوارۂ صد محفل میں ہوں

یہ درد کی ساری شکلیں ہیں یہ سوز کی ساری شانیں ہیں
تو کچھ ہو اے شمعِ محفل لیکن ساری محفل میں ہوں

میں یاد میں تیری روتا ہوں دُنیا مرے حال پہ روتی ہے
بیتاب کنِ یک دل تو ہے بیتاب کنِ صد دل میں ہوں

میکش مرے دم سے باقی ہے دُنیا میں نشان معشوقوں کا
ہو جان کوئی افسانے کی افسانہ نگارِ دل میں ہوں

ہلالِ عید

چلنا سنبھل سنبھل کے ذرا اے ہلالِ عید
لغزش نہ دے کہیں ترے پا کو ہجومِ دید

مشتاق آج تیرا ہر اک خاص و عام ہے
دم لے ذرا سنبھل کہ بڑا اژدحام ہے

یہ آن صبر کش یہ ادائے حسین تر
یہ اعتدالِ نور یہ خم قاتلِ نظر

یہ حسنِ سرمدی کی تجلی جھلک میں ہے
یا چشمِ نیم باز کی تابش پلک میں ہے

یا در کھل گئی ہے کوئی آسمان کی
دُنیا کو جھانکتی ہے تپش اُس جہان کی

رنجِ عروسیِ شبِ اوّل نہ دیدہ ہے
کیوں رنگ کس لئے ترے رُخ کا پریدہ ہے

ہاں تو سجودِ عاشقِ حیرت مآل ہے
یا ابروئے کشیدۂ اہلِ جمال ہے

ماہِ تمام کھول رہا ہے نقاب کو
یا برجِ قوس میں ہے گھِن آفتاب کو

شاید تو کوئی طائرِ سدرہ مقام ہے
قائم ہوا میں بہرِ تماشائے شام ہے

⁂ یا خنجرِ فگندۂ از دستِ قاتلے،
یا ناخنِ بریدۂ از پائے شاہدے

⁂ یا سجدۂ شکستۂ از کرِ زاہدے
یا غمزۂ تپیدہ ز ابروئے مہ رخے

⁂ یا دستِ طالبے ست بدنبالِ مہوشے
یا مہوشے رمیدہ ز آغوشِ طالبے

ہے آج دیر سے تری گردن جھکی ہوئی
ہم بے خودوں سے شرم ہے یہ ایک ہی ہوئی

گو لاجواب شاعرِ میکش خطاب ہے
لیکن یہ خامشی تری سب کا جواب ہے

⁂ یہ تینوں شعر علی رغم قافیہ دانان درجِ نظم ہیں۔ ۱۲

علم انسان

وَمَا اُوتِیتُم مِن العلم الا قلیلا

علم انسان کی بنا مشاہدہ اور قیاس پر ہے یعنی کچھ چیزیں دیکھتا ہے اور کچھ چیزوں کو ان دیکھی ہوئی چیزوں کی مانند سمجھ لیتا ہے۔ قول شارح اور حجت کے طول طویل افسانے ان ہی دو جملوں پر ختم ہوتے ہیں۔

مشاہدہ تمامتر توہمات اور تقلید علمی سے مرکب ہے۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب اگر نہ کہا جائے تو کیا کیا جائے۔ اور قیاس خود مشاہدے کا تابع ہے۔

دلیل ایک فریب ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے نفس کو تسکین دینا چاہتا ہے یا مخاطب کو اپنا فریب وقیع سمجھنے پر مجبور کرتا ہے۔ دلیل اس تکبر کا نتیجہ ہے جو جہلِ مرکب سے پیدا ہوتا ہے یعنی کسی شئے کے سمجھنے کی فضول کوشش زعمِ علمی کے تحت میں۔

دلیل کوئی سبب نہیں ہے بلکہ علم سبب ہے یعنی جب کوئی شئے یا واقعہ واقع ہو جاتا ہے تو اس کو اپنے مشاہدات و قیاسات سے مطابق کرنے کی کوشش کی جاتی ہے انتہائے جہالت یہ ہے کہ اگر ہمارا علم اس واقعے سے مطابق نہ ہو تو بجائے اپنے علم کی کوتاہی کے احساس کے اس واقعے کی صحت سے انکار کیا جائے۔

حقیقت کلی ہے اور کلی کا وجود خارج میں نہیں ہے۔ حقیقت کی تلاش کا بہترین ذریعہ اپنی تلاش ہے دنیا اسوقت تک حقیقت سے دور رہے گی جب تک حقیقت کو اپنے باہر تلاش کرے گی۔ اگر ذرے کی حقیقت معلوم ہو جائے تو تمام موجودات کی حقیقت معلوم ہو جائے۔

حقیقت واحد ہے اور وجودِ محض حقیقت ہے وجودِ محض میں اجتماع وارتفاع نقیضین محال نہیں ہے بلکہ واقع اور ثابت ہے اور عقلائے زمانہ مظاہر حقیقت کی صفات سے علم حاصل کرتے ہیں اور مظاہر کی صفات آپس میں اضداد ہیں اس لئے ہمیشہ انکو ایک علم اپنے پرانے علم وتجربے کے ضد اور مخالف حاصل ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں ہم ترقی کر رہے ہیں حالانکہ وہ ایک دائرہ میں گردش کر رہے ہیں ایک قید سے نکلتے ہیں اور دوسری قید میں مقید ہو جاتے ہیں یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا یہاں تک کہ موجودات کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے یا ان لوگوں کو سکون حقیقی حاصل ہو اور وہ موت ہے یا عرفانِ تام جس کو موتوا قبل ان تموتو کہا گیا ہے اور واعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین جس کی طرف اشارہ ہے۔ مگر یہ لوگ سکون حقیقی سے آشنا نہیں ہو سکتے اس لئے کہ یہ علم اعراض حاصل کرتے ہیں حقیقت جو کہ ہستی صرف ہے اُن کے مبلغ سے بلند ہے یہ علم صفات میں پابند ہیں اور ذاتِ اشیا تک ان کی رسائی نہیں ہے حقیقت نامحدود ہے اور ان کا علم وعقل محدود اور محدود نامحدود کو حاصل نہیں کر سکتا۔

سنہ ۱۹۲۷ء

کھو گیا میں ترے جلوے کا نظارا کر کے　　چھپ گیا تو مری حیرت کو تماشا کر کے
معرکہ حسن و محبت کا سرا انجام ہوا

ہمنشیں رہنے دے مجھے غم الفت کو نہ پوچھ　　اسکو حادث نہ سمجھ اس کی قدامت کو نہ پوچھ
اس کا آغاز ہوا اور نہ انجام ہوا

کون سمجھا کہ مرے سوز نہاں تھا کب سے　　شمع ساں جل بجھا اور آہ نہ نکلی لب سے
سن ترے چاہنے والے کا یہ انجام ہوا

آپ یوں بنکر نہ آئیں بام پر　　ہو گیا دھوکا سحر کا شام پر
ہمسے کیا دیکھا جو پردہ کر لیا　　حرف آیا عاشقوں کے نام پر
عہد کر کے آپ ہی جب پھر گئے　　زور کیا ہے گردش ایام پر
شادی بے معنی بے علت نہیں　　مرمٹا ہوں پھر کسی گلفام پر
کس کو سمجھا ہوں تری پہلی نظر　　مٹ رہا ہوں لذت آلام پر
مر گیا سن کر نوید وصل یار
رحمت حق میکش ناکام پر

یہ کیوں کہوں کہ نہیں آشنا زمانے میں　　وہی ہے کیف ہے جسکو مرے ستانے میں
خدا کے نام پہ کرتے ہیں ہم بتوں سے وفا　　نہ ہو جو قدر وفا کی نہیں زمانے میں

ہمارا سوز بھی ہے زیبِ ہر بیاں لیکن
تمہیں ہو جانِ فسانہ ہر اک فسانے میں

شکن جبیں پہ ہے اور زیرِ لب تبسم ہے
نظر میں رحم تردد ہے رحم کھانے میں

خلش تو تھی میں خلش سے مگر فزوں تڑپا
اُسے بھی آج مزا آگیا ستانے میں

ہے خانقاہ میں بے جا تلاش میکش کی
ملیں گے آپ کو حضرت شراب خانے میں

برباد آرزو کو دیوانہ کہہ دیا ہے
اک لفظ کہہ کے تم نے افسانہ کہہ دیا ہے

نازاں آشنائی مشکل میں پڑ گئے ہیں
یعنی تری نظر نے بیگانہ کہہ دیا ہے

میں نازشِ جنوں سے دیوانہ ہو گیا ہوں
جب اُس نے تنگ آکر دیوانہ کہہ دیا ہے

آزادِ دو جہاں ہوں ہاں تم بُرا نہ مانو
میں نے تو ایک فقرہ رندانہ کہہ دیا ہے

رہزن نگاہ تیری یاں آنکھ میں مروت
خاطر سے تیری دل کو نذرانہ کہہ دیا ہے

میکش سے تیرے آخر بادہ کشوں نے ٹھانی
نظروں کو تیری کس نے میخانہ کہہ دیا ہے

میکش ہے اور ترک جام و
نظروں نے تیری راز میخ

پھر ذرا یادِ خمِ کاکلِ پیچاں ہو جائے
دل پریشاں ہی تو ہستی بھی پریشاں ہو جائے

ایک بار اور تماشا ہو تمہیں میری قسم
پھر تم آئینہ بنو آئینہ حیراں ہو جائے

یاد کرنا مری بربادیِ دل کا منظر
جب پراگندہ خزاں سے گلِ خنداں ہو جائے

برہمی سے خمِ کاکل کی پریشاں ہیں آپ
دل کی کیا فکر ہے دل اور پریشاں ہو جائے

تم مسلماں ہو تو اسلام ہے ایمان مرا
تم ہو کافر تو مجھے کفر ہی ایماں ہو جائے

ہے تری ضد سے فقط لطفِ شکایت ورنہ
میں پشیماں ہوں جو ظالم تو پشیماں ہو جائے

عشق کی کوئی حقیقت جو سمجھ لے میکش
تیری مانند شہیدِ غمِ ہجراں ہو جائے

عنصر یہ ہیں ہماری دیوانی زندگی کے
تخئیل فلسفے کی جذبات عاشقی کے

کیا مجھ کو گمرہی عالم کا غم نہیں ہے
لیکن میں سن رہا ہوں کچھ عذر بیخودی کے

اے محو ساز شادی سن میرا سوز غم بھی
سمجھانا چاہتا ہوں معنی تجھے خوشی کے

مر کر جئیں گے اب ہم جینے کا یہ سبب ہے
سمجھے ہیں زندگی کو اسباب زندگی کے

اللہ اللہ ترے حسن کی شہرت یعنی
میری رسوائی سے خالی نہیں محفل کوئی

بدگمانی ہے مجھے اور دل ناداں کو خوشی
مسکراتا نظر آیا سر محفل کوئی

آپ بلبل اسے کہہ لیجے مری رائے یہ ہے
وقت نظارۂ گل چھوڑ گیا دل کوئی

تم نے دکھائی ہیں وہ چرا کر نگاہ کو،
جو شوخیاں کہ چھوٹ گئی تھیں نگاہ سے

تعمیر کر رہا ہوں اسی سے جہان دل
لایا تھا میں جو حشر تری جلوہ گاہ سے

ہے زندگی محال تغافل سے آپ کے
دل بچکے کیا کرے نگہ بے پناہ سے

الٰہی الاماں دردِ محبت میں نے مانگا تھا
طلب کس روز مجھ کمبخت کو تھی دردِ ہجراں کی

ہوئی صحرا نوردی ختم کب کی اے جنوں لیکن
کھٹک کب تک رہیگی پاؤں میں خارِ مغیلاں کی

کوئی سمجھائے مجھ کو، وقت رخصت کس لئے رویا
وہ ظالم تھی خوشی جس کو مرے حالِ پریشاں کی

تمہیں میں کیا سمجھتا ہوں تمہارا دل بتا دے گا
مجھے تم کیا سمجھتے ہو قسم تم کو مری جاں کی ؟

سہتے سہتے غم محبت کے یہ حالت ہو گئی
ہنس کے بولا جو کوئی اس سے محبت ہو گئی

خوش رہو دنیا میں تم ہم تو اسی میں شاد ہیں
تم سے مل کر رو لئے ہلکی طبیعت ہو گئی

شکر کیجے یا شکایت اُس نگاہِ ناز کی
جو عنایت بن کے آئی اور قیامت ہو گئی

انتقامِ ناکامی

اب گھر چلی ہے رات فضائے بسیط پر
سرمہ برس رہا ہے کسی کی نگاہ سے

اُٹھا ہوں اب وہ لیکے سیاہی کیتھا ساتھ
لایا تھا میں جو حشر تری جلوہ گاہ سے

کرتا ہوں اب سحر میں فنا ہو کے رات میں
ناراض ہوں میں تیرے لبِ عذر خواہ سے

سوؤں نہ سونے دونگا تجھے صبحِ حشر تک
پرہیز ہے تجھے مری بدخونگاہ سے

اُس بات کا جواب ہے کل بزمِ غیر میں
مجھ سے کہی تھی تو نے جو نیچی نگاہ سے

سُن او فریب خوردۂ یک کیفِ دلبری
کہتا ہوں میں یہ تجھ سے محبت کی راہ سے

میں شاہدِ حقیقتِ حسنِ مجاز ہوں
چاہوں تو لاکھ حسن بنا دوں نگاہ سے

واقف ہوں میں جہاں کے کیفِ مزاج سے
چاہوں تو دو جہاں کو مٹا دوں اک آہ سے

ہو جائے ایک دم میں فنائے تعینات
مُنہ پھیر لوں اگر میں تخیل کی راہ سے

حسنِ خیال کی یہ مرے سب نمود ہے
تیرا وجود ہے مرے کیفِ نگاہ سے

عجز و نیازِ عشق فقط ایک شغل ہے
کچھ ربط ہو گیا ہے مجھے سوزِ آہ سے

میں ہوں شہیدِ شاہدِ بزمِ تجلیات
سن میرا مرثیہ شفقِ صبح گاہ سے

تجھ سے مرا معاملہ اس سے فزوں نہیں
اپنے کو دیکھتا ہوں میں تیری نگاہ سے

میرا مشرب

طریقہ ہے مرا نامہرباں کو مہرباں کہنا
جسے سب جانستاں کہتے ہوں اسکو جانِ جاں کہنا

خدا کہنا ہر اک کافر کو ہر قاتل کو سر دینا
جو دشمن جان و دیں کا ہو اسے ایمان و جاں کہنا

اگر فرقتیں جاں نکلے سمجھنا یہ تمنا تھی
نہ نکلیں جو تمنائیں کہ دل سے انکو جاں کہنا

مری عادت ہے خوش رہنا ستمگر کے ستم سہکر
تبسم ہر دل غمگیں کا تم میرا نشاں کہنا

سوائے بیخودی معیوب ہے ہر وصف الفت میں
تحمل کو فغاں کہنا خموشی کو بیاں کہنا

مرا شیوہ ہے عزت عاجزی کی کبر کی ذلت
زمیں کہنا فلک کو اور زمیں کو آسماں کہنا

ہم اے میکش تری دیوانگی سے تنگ آئے ہیں
یہ رمزِ اہلِ معنی ہیں اسے زیبا کہاں کہنا

دُنیا دیوانی ہے

اُس نے کہا "مہکش" کو محبت راس نہ آئی آخر دیوانہ ہوگیا۔ بات ختم ہوئی مگر میری فکر کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ آخر مجھے دیوانہ کیوں کہا؟ دیوانگی کسے کہتے ہیں؟ قوی اور افعال میں فنائے تناسب و ترتیب جنون کے لئے سبب امتیاز ہو، مگر میرے خیال میں جس کے افعال و حرکات مغلوبِ جذبات ہوں وہ "دیوانہ" ہے اسی لئے تو اس نے مجھے دیوانہ کہا جذبات عالی ہوں یا ادنیٰ جا ہوں یا بے جا۔ مثلاً کسی شئے سے متاثر ہو کر جذباتِ رقص پیدا ہوئے۔ ایک شخص ناچنے لگا جو سبب سمجھنے سے قاصر رہے اُنھوں نے کہا دیوانہ ہے۔ دوسرا جذبات پر غالب آگیا وہ ہوشیار سمجھا گیا لیکن کیا ہوشیار ہر جذبے پر غالب آجاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور کیا دیوانہ ہر جذبے سے مغلوب ہو جاتا ہے؟ یہ بھی نہیں۔ تو پھر دیوانے کو دیوانہ کیوں کہتے ہیں؟ کیا اس لئے کہ اس کی مغلوبیت پر اکثریت کے اعتبار سے حکم لگایا جاتا ہے مگر اکثریت خود امرِ اعتباری ہے اور یہ بھی نہ ہو تو کسی شئے کے متحقق ہونے کے لئے اُس کے جز کا متحقق ہونا کافی ہے۔ قوائے باطن تو سب کے مغلوبِ جذبات ہوتے ہی ہیں اس صورت میں افعال کا معتبر ہونا عبث ہے۔ لہٰذا ہر شخص دیوانہ ہے۔ کیا مجھے صرف اس لئے دیوانہ کہا جاتا ہے کہ میں ان کی پرستاری میں بدنام ہوں۔ لیکن بڑے بڑے ہوشیار اور متقی و زاہد جس نظر سے ان کو دیکھتے ہیں اس کا درد میرے غیور دل سے زیادہ کون محسوس کر سکتا ہے کیا وہ دیوانے نہیں ہیں۔ غور سے دیکھو تو ہر شخص ایک خیال کے تحتِ اثر کام کرتا ہے جس کی صحت و واقعیت کا اُسکو یقین

ہوتا ہے مگر ہر خیال ایک قید اور ایک تعین ہے اور حقیقت ہر قید و تعین سے آزاد ہے تو کیا ہر شخص دیوانہ نہیں ہے۔ ایک مذہبی آدمی اپنے مذہب کی صداقت پر اسقدر یقین رکھتا ہے کہ دُنیا کے مذاہب اس کو باطل نظر آتے ہیں۔ کیا یہ جنون نہیں ہے۔ ایک فلسفی اپنے مخترعہ نظریہ کے خلاف دُنیا کی تحقیق کو لغو سمجھتا ہے۔ ایک سرمایہ دار سرمایہ داری کو حاصل زندگی سمجھتے ہوئے لطائف حیات سے محروم ہے۔ اسی طرح دُنیا کا ہر فرد حقیقت کے خلاف جدوجہد میں مصروف ہے ہر شخص اپنی زمین کو زمین اور اپنے آسمان کو آسمان اپنی حرکت کو حرکت اپنے سکون کو سکون سمجھتا ہے کیا یہ جنون نہیں ہے۔ ہر شے اپنے غیر سے محض اعراض و اعتبارات سے ممتاز ہے اور اعراض و اعتبارات کا خود وجود نہیں ہے اور پھر دُنیا ہے کہ ان اعتبارات پر مٹی جاتی ہے اس کے بعد کیا یہ کلیہ قائم نہیں ہوتا ہے کہ دُنیا دیوانی ہے۔

میں کہ حامل رازِ محبت ہوں وہ محبت جس سے موجودات کی تعمیر ہے جس سے نظامِ عالم کا قیام ہے جو اعلیٰ ترین اخلاق ہے جس سے انسان مخلوقات میں ممتاز ہے اور پھر وہ مجھے دیوانہ کہتے ہیں۔

خیر اگر میں دیوانہ ہوں تو معلوم ہونا چاہئے کہ ہوشیاری ایک بے معنی لفظ ہے۔ مگر یہ خطاب عطیۂ حسن ہے اسکو عام کرنا آدابِ محبت کے خلاف ہے یہ لفظ میرے لئے مخصوص ہے اور رہے گا۔

میں نازشِ جنوں سے دیوانہ ہو گیا ہوں
جب اس نے تنگ آکر دیوانہ کہدیا ہے

سنہ ۱۹۲۶ء

کل اس طرح اُن سے تصادم رہا
وہ سنورا کئے اور میں گم رہا

مرے دل کی بھی عمر اتنی ہی تھی
ترے لب پہ جتنا تبسم رہا

رہی بے سبب زلف برہم تری
مرے دل کو کیا کیا توہم رہا

رہا میں بھی محفل میں اُن کی طرح
نگاہوں میں لیکن تکلم رہا

مرے سوز کی کیفیت اُس میں تھی
لبوں پر جو تیرے تبسم رہا

پلا کر ہی میکش رہا شیخ کو
بہت دیر جھگڑا سرِ خم رہا

میں حقیقت میں کبھی غیر پہ مائل نہ ہوا
نہ ملا اُس سے جو وجہِ خلشِ دل نہ ہوا

عمر بھر تیری تمنائیں مرے دل میں رہیں
دل مگر تیری تمناؤں کے قابل نہ ہوا

تپش و سوزِ دروں سے نہ گئی علتِ دل
حسن برباد جو برباد کنِ دل نہ ہوا

ہو گئی درد یہ درماں طلبی ہی لیکن
تم سے ملنے سے بجز رنج کے حاصل نہ ہوا

نہ ہو شرمندہ جفا کر کے میں قرباں تیرے
یہ عنایت بھی بہت ہے کہ تو غافل نہ ہوا

رازِ دزدیدہ نگاہی کا تری کھل نہ سکا
آج کے دن تری قسمت سے مرا دل نہ ہوا

خود نمائی کو مری ذوقِ تماشا نہ ملا
میں ہوا غرق تو لیکن سرِ ساحل نہ ہوا

شمعِ کشتہ کا وہ منظر وہ وداعِ محفل
خیر یہ گذری کہ پروانۂ محفل نہ ہوا

میری دیوانگی اللہ سلامت رکھے
تیرے گیسوئے پریشاں تو ہیں گر دل نہ ہوا

لوگ سمجھا کئے ہر رنگ میں شامل مجھ کو
ورنہ میکش میں کسی رنگ میں شامل نہ ہوا

کیسے کہدوں کہ کوئی زینتِ آغوش نہ تھا
اک ثبوت اسکا یہی ہے کہ مجھے ہوش نہ تھا

لذتِ درد نے دوری کو بنایا منزل
ورنہ اِس کیف کے عالم میں وہ روپوش نہ تھا

جان دینا ہی تھا مقصود محبت میں مجھے
آپ سمجھے کہ محبت میں مجھے ہوش نہ تھا

تھا قیامت کا نہ ہونا بھی قیامت مجھ کو
دل ستم کوش تھا جسدم وہ ستم کوش نہ تھا

ہجومِ وعظ میں اور بر سرِ منبر افسوس
آج مسجد میں مگر میکشِ مے نوش نہ تھا

کوئی دن میں خود ہی نہ ہوں گے ہم ہمیں کیا ہے رہا کوئی یا نہ رہا
وہ گئے تو گئے یہ قلق ہی رہے نہ رہے بھی تو کوئی سدا نہ رہا

جب دل نہ رہا تو خوشی نہ رہی جو خوشی نہ رہی نہ رہا غم بھی
جب غم نہ رہا تو خلش نہ رہی جو خلش نہ رہی تو مزا نہ رہا

مدد اے خلشِ سوزِ الفت مجھے تیرے ہی دم سے تسکیں ہے
مرے ساتھ جنونِ محبت میں کوئی ایک بھی تیرے سوا نہ رہا

غیر شے غیر کو حاصل ہو یہ ہے ناممکن،
طلبِ جلوہ نہ کر آپ ہی جلوا ہو جا

چند آہیں چند قطرے خون کے
تھا یہ دل کا کاروانِ مختصر

سُن چکے ہو نام سے جو تلیس کے
تھی وہ میری داستانِ مختصر

وسعتِ دل اور تمنائیں تری
یہ ہجوم اور آستانِ مختصر

عشق اور پابندیِ آدابِ ہوش
لاکھ جھگڑے ایک جانِ مختصر

سُنتے سُنتے میری فرمانے لگے
اس کو کہتے ہیں بیانِ مختصر

اک شورش ہے تسکینِ دروں ہے ایک سکونِ شورش زا
معلوم نہیں خلوت میں ہوں محسوس نہیں محفل میں ہوں

وہ میری بُرائی ہی کے سبب آتا تو ہے تم کو دھیان مرا
تم دل میں ہو میرے تو کیا ہو میں ہوں کہ تمہارے دل میں ہوں

تم دل ہو تمنا کا تم دل کی تمنا ہو
تم کیف ہو دُنیا کا تم کیف کی دُنیا ہو

تو دل میں سماتا ہو میں جان سے جاتا ہوں
ہستی مری مٹتی ہو نقشہ ترا جمتا ہو

ہے میرے جنوں میں بھی کچھ جذبِ نظر لیکن
جب تم ہو تماشائی پھر کیوں نہ تماشا ہو

للچائی ہوئی نظریں شرمائے ہوئے تیور
مر جاؤں نہ کیوں جب یوں مرنے کا تقاضا ہو

تم دل کی مسرت ہو تم نور ہو آنکھوں کا
تم زینتِ خلوت ہو تم انجمن آرا ہو

~~یاد آئے تو میکش پر اک فاتحۂ حسرت~~
یاد آئے تو میکش کا کچھ ذکر بھی ہم

~~ساقی تری آنکھوں سے جب کیف برستا ہو~~
ان مست نگاہوں سے جب کیف برستا ہو

مضطر ہے تیرے سامنے بھی یہ غضب تو دیکھ
او بدگمان ہاتھ تو رکھ دل پہ اب تو دیکھ

جب تیری دید کے لئے لاکھوں دعائیں تھیں
اب موت کی طلب ہے جنونِ طلب تو دیکھ

مانا کہ شانِ حسن ہیں بے التفاتیاں
تیری طرف نہ دیکھ رہا ہوں میں جب تو دیکھ

بیٹھے ہیں کس طرح سے ترے در کے سامنے
ان ساکنانِ دشتِ جنوں کا ادب تو دیکھ

دیوانہ زلف کا ہوں مرا حال اے طبیب
اب دیکھ اور چھانے لگے شام جب تو دیکھ

میکش نے جان دی ترے ہنسنے کی آن پر
کتنا حسیں ہے اسکی قضا کا سبب تو دیکھ

دم وداع وہ نیچی نظر معاذ اللہ
ہے خوبہائے تمنا مگر معاذ اللہ

وہ سو کے اٹھنے کا عالم تری ستم پہ ستم
وہ زلف چھائی ہوئی تا کمر معاذ اللہ

اب بھی دزدیدہ نگاہِ ناز ہے
کیا مرے رونے میں بھی کچھ راز ہے

بن گئے افسانے میری آہ کے
خامشی تیری کہ اب بھی راز ہے

دیکھنے والے کی آنکھیں دیکھئے
آپ کو صورت پہ اپنی ناز ہے

ہو چکی ناکامیوں کی انتہا
اور الفت کا ابھی آغاز ہے

کیا کروں تیری جفاؤں کا خیال
میں سمجھتا ہوں جنونِ ناز ہے

میکش و انکارِ بادہ حف نظر
لاؤ ساغر یہ بھی اک انداز ہے

ہوش لازم ہے یہ مجمع عام ہے
بام ہے اے جلوہ افگن بام ہے

کیوں بیاں کرتا ہے لذاتِ سحر
دیکھ اے رہرو ابھی تو شام ہے

زیست میری اور یہ ایّام فراق
اے امیدِ وصل تیرا کام ہے

ہم کو ناکامِ محبت کیوں کہو
مرگ ناکامی ہمارا کام ہے

اب تو آجاؤ کہ ہے صبحِ فراق
اب تو آجاؤ کہ میری شام ہے

شاہدوں میں بھی اشارے ہمپہ ہیں
عاشقوں میں بھی ہمارا نام ہے

پردے والوں سے تغافل کا گلہ
کیوں کروں جب لذتِ آلام ہے

حادثاتِ ہجر میں سر دے دیا
واقعاتِ دل کا سر انجام ہے

بسملوں کا دل مگر دکھتا نہیں
تیغ کو کہتے ہو خوں آشام ہے

عاشقی اور عقل کی پابندیاں
سچ یہ ہے میکش تمہارا کام ہے

دشمن کی تباہی کی خاطر سامان لیا ہے دشمن سے
یہ عشق کی بجلی پیدا کی ہے ہوش و خرد کے خرمن سے

تیری وہ نظر، پروردۂ دل، دنیا جسے بجلی کہتی ہے
گرتی ہے میرے نشیمن پر بنتی ہے میرے نشیمن سے

صحرا کو نہ ہو نکہت کی طلب کیا میں نہیں وسعتِ صحرا میں
رنجش ہے چمن کے پھولوں سے شکوہ ہے نسیمِ گلشن سے

ہو جایا کرے کچھ ذکر کبھی ناکامِ محبت میکش کا
جب اٹھتے ہو تم بستر سے یا لوٹتے ہو جب گلشن سے

اب دیکھنے لگے ہیں وہ مجھ کو مسکرا کر
شاید یقین میری الفت کا آچلا ہے

میں تمکو چاہتا ہوں میری غرض بھی سمجھے
میں موت مانگتا ہوں مرنا مری دوا ہے

اپنی زباں سے کرلو اقرار تم وفا کا
اتنی سی آرزو ہے اتنی سی التجا ہے

تو صبح موسم گل ہیں شام روز غربت
معلوم تجھ سے ملنا ہر چند مدعا ہے

کرتے ہو قدر اب کچھ جب یاد کچھ کروگے
مرجاؤ نہیں تو کیا ہو زندہ ہو نہیں تو کیا ہے

کے روز رہ سکوں گا میں تیرے ساتھ آخر
اک روز ہے جدائی دنیا کا قاعدا ہے

او مجھ پہ ہنسنے والے تو مجھ کو یاد رکھیو
میں ہوں ترا پجاری تو میرا دیوتا ہے

تم کو دیکھے جو سکندر تو بنے آئینہ
تم اگر دیکھو تو آئینہ سکندر ہو جائے

کامیابی ہے ترے عشق میں ناکامی بھی
جو تری راہ میں کھو جائے وہ رہبر ہو جائے

ہو غضب تیرا تو اک قطرہ سمندر نہ رہے
تیری رحمت ہو تو ہر قطرہ سمندر ہو جائے

تیرے وحشی کا مداوا نہیں ممکن لیکن
مہرباں کاش تری زلف معنبر ہو جائے

کرتے ہو بے وفائی اور یہ بھی جانتے ہو
دنیا میں کوئی اس کا میرے سوا نہیں ہے

مانا کہ جانتے ہو بیتابیاں ہماری
سودائے عشق لیکن تم نے کیا نہیں ہے

اتنا دماغ کیوں ہے میکش سے اے حسینو
کیا یہ سمجھ لیا ہے اس کا خدا نہیں ہے

نظم

جب دِل نہ آیا تھا

(ناتمام)

ازل سے گو حسینوں کی محبت میری فطرت تھی
مگر فطرت ابھی ناواقف سوزِ محبت تھی
دلِ معصوم کو میرے ہر اک کافر سے الفت تھی
نہ تھا تکلیف کا احساس کیا اچھی طبیعت تھی

مری شرکت موقر تھی ہر اک معصوم صحبت میں
مسلم میری بے لوثی حسینوں کی جماعت میں
مری عصمت کی قسمیں معتبر اہلِ محبت میں
مری پرسوز آہیں منتظر بابِ اجابت میں

سمجھتا تھا نہ کچھ معنی میں دزدیدہ نگاہوں سے
گماں کرتا نہ تھا کچھ بھی کسی کی سرد آہوں سے
نہ تھا واقف لگاوٹ کی میں ان پیچیدہ راہوں سے
نہ الجھا تھا کسی کافر کی مژگانی سپاہوں سے

نہ دیکھا تھا کسی کا ہنس کے زلفیں کھول کر آنا
نہ دیکھا تھا کسی کا آہ بھر کر جان سے جانا
نہ تھا معلوم کیا ہوتا ہے دل لے کر مکر جانا
نہ تھا معلوم ہو جاتا ہے کیسے کوئی دیوانا

نہ تھا معلوم دل جاتا ہے اک چشمِ عنایت میں
نہ تھا معلوم الفت کی سزا ملتی ہے فرقت میں
نہ تھا معلوم دل کو عیب لگ جاتا ہے الفت میں
نظر بدنام ہو جاتی ہے پاکیزہ محبت میں

خبر کیا تھی مجھے الفت میں جانا بھی ہوتا ہے
جو کرتے ہیں محبت اُنسے شرمانا بھی ہوتا ہے
خبر کیا تھی مجھے ہنسنے میں غم کھانا بھی ہوتا ہے
ضروری آنیوالے کے لئے جانا بھی ہوتا ہے

نہ سمجھا تھا کہ دل لیکر کوئی ناراض ہوتا ہے
نہ سمجھا تھا کہ دل دیکر کوئی کمبخت روتا ہے
کسی کے پاؤں پر سر رکھ کے کوئی جان کھوتا ہے
کوئی ہمسے نہ بولے اب، کوئی یہ کہکے سوتا ہے

ہوا کیا حال دل کا کیوں کسی انجان سے کہئے
توجہ ہو نہ دانا کی تو کیا نادان سے کہئے
نہ ہو جب داد کی حسرت تو کس ارمان سے کہئے
نہیں کیا آپ کو معلوم، ہاں ایمان سے کہئے

سہرا

(ناتمام)

تابشِ روئے منور سے منور سہرا
نکہتِ زلفِ معنبر سے معنبر سہرا
شانِ ترجیح کی معدوم ہے ان جلوؤں میں
سہرے سے رخ کی ضیا رخ سے منور سہرا
ہو گیا پاسِ ادب جوشِ مسرت میں فنا
ورنہ کیوں ہے تری دستار کے اوپر سہرا
اللہ اللہ عجب شوقِ قدمبوسی ہے
پاؤں تک آیا ہے نوشہ کے لٹک کر سہرا
بار ورشاخِ محبت رہے دائم باہم
نیک ساعت میں بندھا ہو ترے سر پر سہرا

موجزن آج ہے دریائے مسرت میکش
اس لئے لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

سنہ ۱۹۲۵ء

جب اُس کو ڈھونڈتے تھے تو دل بھی نہ تھا کہیں
اب دل کیا تلاش تو وہ بھی وہیں مِلا

کس سوزِ دل سے تم کو بنایا ہے اے بتو
تم سے نشانِ ذوقِ جہاں آفریں مِلا

ہے محترز بھی ملنے سے میرے وہ یا عجب
خوش ہو کے مُسکرا بھی دیا جب کہیں مِلا

یارب شبِ فراقِ مرا دل کدھر گیا،
اک قطرہ خوں سحر کو تہِ آستیں مِلا

آئے وہ میرے دل میں تو دل کو اُجاڑ کر
برباد جب مکان ہوا تب مکیں مِلا

میکش سے تھی بہار تری بزمِ ناز میں
اب تو جہاں مِلا ہمیں اندوہ گیں مِلا

وجہ ناراضی تری اے مہرباں کھلتی نہیں
میرے بھی دل ہے مگر میری زباں کھلتی نہیں

سدِّ آزادی ہے قیدِ شکلِ انسانی مجھے
مجھ پہ یہ پوشاک اب اے رازداں کھلتی نہیں

تو ٹھہرتا ہے تو ہو جاتی ہے دوبھر زندگی
تیری کیفیت بھی اے دردِ نہاں کھلتی نہیں

ہائے کس سے پوچھئے رودادِ قتلِ عاشقاں
اے تری وہ آنکھ جس کی داستاں کھلتی نہیں

منتظر ہوں میں کہ شاید کچھ مجھے تسکین دے
سُن کے میرا حالِ چشمِ رازداں کھلتی نہیں

ایک دم بھاتی نہیں بے سوز بزمِ حسنِ گل
برق آ بیٹھے اگر بلبل نشیمن میں نہیں

مجھ کو غیرت ہے کہ کیوں ملزم ہے حسنِ بے زباں
برق میں کیا چیز ہے ایسی کہ خرمن میں نہیں

دلمیں بے کیفی ہے یوسف کے جو دامن چاک ہے
دل میں وہ کچھ ہے زلیخا کے جو دامن میں نہیں

میرے دل کا حال تم خلوت میں چل کر پوچھنا
بزمِ دشمن کی شکایت بزمِ دشمن میں نہیں

آپ جو چاہیں کریں لیکن نہ دیجئے غیر کو
دل مرا دشمن ہو لیکن دل کا دشمن میں نہیں

شمع پروانہ ہے جسپر وہ ترا پروانہ ہوں
اے جمالِ یار تو روشن ہے روشن میں نہیں

بتا دیں آپ اپنے دوستوں کے نام تو مجھ کو
سمجھ تو لوں کہ میرے کتنے دشمن ہیں زمانے میں

اگر زندہ رہونگا تو مٹوں گا یادِ ماضی میں
نہ ڈھونڈونگا کسی معشوق کو میں اب زمانے میں

زباں سے میری کیا نکلا تم ایسے سرگراں کیوں ہو
خموشی جب بیاں ہو شکوۂ طرزِ بیاں کیوں ہو

تمہارے حسن کا قصہ ہو یا میری محبت کا
جسے دلمیں چھپائیں ہم وہ زیبِ داستاں کیوں ہو

تری آمادگی قاتل تبسم ہے محبت کا
توجہ گر نہیں مضمر تو قصدِ امتحاں کیوں ہو

اگر مٹنا مسلم ہے تو تجھ پر کیوں نہ مٹ جائے
ترے ہوتے ہوئے آخر یہ دنیا رائگاں کیوں ہو

اگر مسرور ہو دل سے تو کیوں بیزار ہو مجھ سے
اگر بے زار ہو مجھ سے تو دل میں مہماں کیوں ہو
یقیں کیا ہو گیا تم کو مرے دُنیا سے جانے کا
نہیں تو یہ بتا دو آج اتنے مہرباں کیوں ہو
وہ ہستی جس کو کہئے عشق عکسِ حسنِ ذاتی ہے
نہیں جب درمیاں میکش تو اُس سے بدگماں کیوں ہو

ہاں ہاں مرا قصور تھا ایسے خفا نہ ہو
قربان اس ادا کے کوئی دیکھتا نہ ہو
لیلےٰ کے سوزِ دل کا نہ تم سے ہوا بیاں
وہ میرا رازِ کیف جو تم سے ادا نہ ہو
ثابت ہوا فضول ہے اظہارِ آرزو
کہئے تو کیا ہو اور نہ کہئے تو کیا نہ ہو
یارب مرے جنونِ محبت کی ابتدا
ایسے کے ہاتھ سے ہو کہ پھر انتہا نہ ہو

خمارِ دوشینہ

آہ! وہ دن پھر کبھی نہ آیا جب باہم نگاہوں میں دورِ محبت کی ابتدا ہوئی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمہاری جھکی ہوئی نشیلی آنکھوں، سرخ آلود رخساروں، اور متبسم لبوں سے بجلی پھوٹ نکلے گی۔ ایسی شراب میں نے کبھی نہیں پی، اور شاید تم نے بھی۔ اُس روز کے سوا میں نے عشق کو کبھی نازاں نہیں دیکھا اور شاید تم نے بھی۔ یقین تھا کہ اب حسن و عشق میں تصادم ہو جائے گا اور ہم تم منبسط ہو کر ذرّوں میں مل جائیں گے، فضا منور ہو جائیگی اور پھر کبھی رات نہ ہو گی۔

تم جب محبت آمیز معترف نظریں مجھ پر ٹھیراتے تھے تو میں اپنے وجود کو تمام موجودات پر چھایا ہوا محسوس کرتا تھا اور کائنات کی ہر ہستی مجھے اپنے اندر شامل کرنے کے لئے بیچین نظر آتی تھی۔ مگر اب تو مجھے اپنی ہستی بھی مغائر معلوم ہوتی ہے۔

تجدد امثال کا وہ عرض کسقدر رنگین تھا، مجردات کی وہ تجلی کسقدر لطیف تھی، جو بجلی بن کر تم پر آئی اور مجھ پر گری۔ میں جانتا ہوں کہ میرا عشق تمہارے خال و خد سے بے نیاز ہے، اسی وجہ سے میرا مرض لاعلاج ہے اور اسی دلیل سے میں پاکباز ہوں۔

عالم مجموعۂ عناصر ہے اور عناصر کا ہیولیٰ واحد ہے، فلسفے کا یہ نظریہ خواہ درست ہو مگر میں یقین نہیں کر سکتا کہ عاشق و معشوق وجود کے کسی درجے میں پہنچکر متحد ہو سکتے ہیں۔ میری ناامیدی یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ تم مجھے دیوانہ کہتے تھے مگر اب میں بھی تم سے متفق ہوں اور اس لقب پر مجھے ناز ہے .... نہیں، بلکہ تھا۔ اب تو جذبات نے جمع ہو کر اشتیاقِ فنا کا قالب اختیار کر لیا ہے۔

خرابات میکش

بادل میں

یہ ایک سلسلۂ کوہ معلوم ہوتا ہے جو زمین سے اُٹھا ہے اور آسمان سے گزر گیا ہے درمیان سے نظر آنے والے آسمان کی برقی نیلگونی کسقدر نظر فریب ہے۔ شام ہوتی جاتی ہے اور منظر پر سُرخی دوڑتی آتی ہے۔ شاید لالہ زار ہے۔ پرند ہوا میں کس سکون سے تیر رہے ہیں۔

——کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا—— کچھ دیر غرقِ خیال رہنے کے بعد——

میں خود بھی اسی پہاڑ پر ہوں۔ کسقدر دلفریب منظر ہے۔ کاش وہ بھی ہوتے۔ اس وقت ان کو اپنے شورش آمیز نغمے (اسی) پُر درد لے میں سُناتا کہ اُن کا سکون میرے اضطراب سے بدل جاتا—— میری دیوانگی کہ میں ہر مسرّت کی تکمیل اُن کی یاد سے کرتا ہوں۔ اور اُن کی بیگانہ وشی کہ گویا مجھ سے شناسائی بھی نہیں ہے۔ یا وہ ایسا ظاہر کرنے پر مجبور ہیں۔ اس قسم کے خیال مجھے برباد کئے دیتے ہیں۔ کسی نتیجے پر نہیں پہونچتا اور آخر جنون سا ہونے لگتا ہے۔ ان کا تبسّم منفعل، نظرِ مکرر، آہِ سرد ایسے شواہد ہیں جو بدگمانی سے قطعاً مانع ہیں۔ سمجھ لیتا ہوں کہ اظہارِ محبت اور وفاداری سے مجبور ہیں۔ یہ ہے میری مسرّت بے معنی کا راز جسپر دُنیا ہنستی ہے۔ مجھے اُن کے تبسّم میں اتنا درد و سوز محسوس ہوتا ہے جتنا اپنے رونے میں نہیں ہوتا۔ ان کی خاموشی سے اتنی غمخواریاں ٹپکتی ہیں جن کو کوئی ہمدرد ظاہر بھی نہیں کر سکتا۔ اُس وقت ان کی آنکھوں سے کتنی غم کی بجلیاں کوند جاتی ہیں جب وہ تبسّم کو مٹا کر آہ سرد بھر کر نظریں نیچی کر لیتے ہیں۔ ایک طرف یہ طوفانِ فریب اور دوسری طرف یہ طومارِ بدگمانی کہ مجھے اسی میں شک ہے کہ وہ میری محبت سے واقف بھی ہیں یا نہیں——

سلسلۂ خیال یہاں تک پہونچا تھا کہ بدن میں جمود پیدا ہوا اور بجلی کی سی چمک کے ساتھ وہ ہنستی

ہوئے سامنے آگئے۔ حیرت، خوشی، انفعال، کی ایک مرکب کیفیت مجھ پر طاری ہوئی اور میں ان کے قدموں کی طرف جھکا اور گر گیا معلوم نہیں کتنی دیر بعد مجھے ہوش آیا۔ میری حیرت اور زیادہ ہو جاتی ہے جب خیال آتا ہے کہ مذکورہ منظر بادل کے مختلف ٹکڑوں میں تخیل نے بنایا تھا اور آہ وہ نہ تھے۔

بر باد تخیل میکش

سیرِ دل

ایک دن جبکہ میں دماغی الجھنوں اور جمعیت شکن مناظر سے پریشان ہو گیا تھا جہانِ تخیل کو لے کر اور بساطِ نظر کو سمیٹ کر خلوت کدہ دماغ میں آ بیٹھا۔ طبیعت کو سکون ہوا وحشت کم ہوئی اور حواس جمع ہوئے۔ آنکھیں بند تھیں اور میں خواب کی تائید میں تھا مگر بجائے خواب کے ایسی غفلت طاری ہوئی جو اگر بیداری نہیں تو خواب بھی نہ تھی۔ میں ایک تاریک گہرائی میں ڈوبنے لگا۔ خدا معلوم کتنے روز بعد پاؤں تہ پر لگے اور صبح کاذب کی سی روشنی پیدا ہونے لگی۔ پہلی نظر زمین پر پڑی اور وہ ایسی سرخ تھی گویا ابھی یہاں میدان ہوا ہے اور خاک آلود خون میں ہلکی سیاہی آ چلی ہے۔ مہینوں اس زمین پر چکر لگاتا رہا صرف اتنا معلوم ہوا کہ کسی جزیرے یا جزیرہ نما پر ہوں جو کبھی آباد نہیں ہوا ہے ایک روز جب میں اس کے قطب شمالی پر پہونچا ایک نشیب میں میرا پاؤں پھسلا اور میں ایک لامتنہی گہرائی میں پھسلتا چلا گیا دیر بعد ہوش آیا تو اپنے گرد ایک ہجوم دیکھا۔ وہ ایک ایسا مقام تھا جس کو نہ باغ کہا جا سکتا ہے نہ جنگل۔ ایک

عورت نے جواباً کہا اس کا نام "عشق آباد" ہے اور شاید تمہاری زبان میں "دل" کہتے ہیں اس نے کہا میرا نام "طلب" ہے۔ طلب ہمیشہ میرے ساتھ رہی۔ سب سے پہلے اس نے مجھے ایک بزرگ کی خدمت میں پیش کیا جن کا اسم گرامی "ضمیر" تھا مجھ سے عہد لیا گیا کہ میں کبھی انکی نافرمانی نہ کرونگا۔ ان کے ایک دیرینہ خادم "حسن خلق" نے مجھے پروانہ راہداری دیا جس پر لکھا ہوا تھا "برامت کہو برامت سمجھو، برامت مانو" اس کے بعد میں نے تمام فضا میں ایک آزادانہ گشت لگایا بہت سے قصر دیکھے جن کے دروازوں پر ان کے مالکوں کے نام تواضع "دیانت" ریا "تکبر" وغیرہ لکھے ہوئے تھے، کہیں میں نے اندر بھی جانا چاہا لیکن طلب میرے ساتھ نہ تھی بلکہ ایک مہیب الہیئت انسان "خوف" آیا اور مجھے روک دیا۔ اسی طرح میں ایک باغ میں پہنچا۔ کوئی خوشنما پھول ایسا نہ تھا جو اس باغ میں نہ ہو۔ باغ کی مالک ایک جوان حسینہ "تمنا" نامی تھی۔ یہاں میں نے سب سے زیادہ قیام کیا۔ بہت سے پھول توڑے اور تعجب یہ ہے کہ مالکہ نے کبھی مجھے منع نہیں کیا۔ اس باغ میں ایک درخت تھا "ناکامی" جس کے پتوں کی بو تمام باغ کے پھولوں کی خوشبو پر غالب رہتی تھی۔ میرے لئے یہ بہت پریشان کن بات تھی اس لئے میں نے ہمیشہ کے لئے اس باغ کو خیرباد کہدیا۔ دروازے سے نکلتے ہی ایسا لق و دق بیابان ملا جس کی ہیبت ابتک دل سے نہیں جاتی اس بیابان کا مالک ایک کافر مذہب رہزن تھا اسکا نام "یاس" تھا۔ بمشکل یہاں سے نکلا تھا کہ زبردستی ایک پیر خشک نہاد "زہد" ایک مسجد میں گھسیٹ لیگئے وہاں اور بہت سے مشین آدمی تھے لیکن اکثر باوجود ثقاہت زہد کے کنیزوں اور غلاموں سے مخش انداز میں مانوس دیکھے گئے۔ زہد کے شاگرد پیشہ بہت تھے لیکن ریا، تکبر، طمع، بدگوئی ایسے تھے جن کی طرف لوگ زیادہ متوجہ تھے۔ مجھے یہاں بہت تکلیف ہوئی زہد صاحب اگرچہ

حور و قصور کے وعدوں سے میری پریشانی رفع کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے مگر میں تمنا کے باغ سے ایسا دل برداشتہ ہو کر نکلا تھا کہ کسی پر طبیعت ہی نہ آتی تھی۔ آخر ایک روز وہاں سے بھی بھاگ نکلا اس دوران میں بہت سی تکلیفیں اُٹھائیں اپنی جان سے عاجز تھا ایک روز تکالیف اپنی حد کو پہونچ چکی تھیں کہ ایک خوبصورت مغبچہ اُس نہ معلوم کس طرف سے آیا اور میرا دامن پکڑ کر ایک بتخانے کی طرف لے چلا دروازے پر ایک پیر مضطرب الحال عشق نے خوش آمدید کہہ کر ہاتھ پکڑ لیا اور دروازے کے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ اُس تکدے کا نام "سویدا" تھا دروازے پر لکھا ہوا تھا "اقرب الیہ من حبل الورید" لیکن اندر داخل ہونے سے پہلے میرے ہوش و حواس رخصت ہو چکے تھے۔ نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کچھ دیکھا اور نہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ کچھ نہیں دیکھا۔ اتنا یاد ہے کہ میں نے عشق سے بہزار مشکل جلوۂ مکرر کی خواہش کی۔ میں نے کہا مجھے ہر شرط منظور ہے۔ اسکے بعد میں ایک ناپیدا کنار سمندر میں ڈھکیل دیا گیا جس کا پریشانی حواس ایک قطرہ تھا۔ اس سمندر کا نام سوز عشق ہے! عشق نے کہا۔ عشق آباد کو بھی سمندر گھیرے ہوئے ہے۔ اب تم کچھ دن اس میں رہو۔ جب تک باہوش رہو گے اسمیں رہو گے اور جب بیہوش ہو جاؤ گے ہمارے پاس اور "خدائے دل" کی خلوت میں باریاب ہو گے! اس دہشت سے میں چونک پڑا اب میں اپنی آرامگاہ میں تھا اس سے پہلے کہ میں یہ واقعہ کسی سے کہوں میں نے سُنا کہ لوگ کہہ رہے تھے "افسوس عکش دیوانہ ہو گیا" اس دن سے یہ حالت ہے جو تم دیکھتے ہو پہلو میں دل کی جگہ ایک سوز کا سمندر معلوم ہوتا ہے، شاید اب تم رازِ الفت سے کچھ آشنا ہو گئے ہو گے۔ تمہیں بھی عشق نے خدائے دل کی تجلیات میں سے ایک تجلی میرے باہوش رکھنے کی خاطر عنایت کی ہے۔ اب تو میری اور دل کی قدر کرو گے؟

۱۹۲۴ء

تمہیں کو شوق نہیں کچھ مجھے ستانے کا
نہیں ہے دل تو یہی رنگ ہے زمانے کا

تمہارے حسن کا شہرہ مرے فسانے سے
تمہارے حسن سے شہرہ مرے فسانے کا

غرضکہ اب کسی عنواں نہیں مجھے راحت
سکوں ہے نام مرے دل کے بیٹھ جانے کا

ہمیں تو کوئی حسینوں میں باوفا نہ ملا
تمہارا ذکر نہیں ذکر ہے زمانے کا

مجھے بھی اب تو تردد ہے غارِ وحشت میں
نگاہِ مہر نے خوں کر دیا بہانے کا

وہ لاشِ میکشِ ناکام نوجواں کی چلی
ستم ہے اُف یہ نتیجہ ہے دل لگانے کا

وحشتوں میں دل کی جمعیت کا ساماں ہو گیا
آدمیت سے ہوا خارج تو انساں ہو گیا

بھر گئیں آنکھوں میں تیری بزم کی رنگینیاں
میں نے دیکھا جس بیاباں کو گلستاں ہو گیا

اس ادا سے میں نے دیکھے داغ اپنے خون کے
اک تماشا روزِ محشر ان کا داماں ہو گیا

کر چکے بس تم علاجِ دردِ پنہاں کر چکے
ہو گیا تم سے علاجِ دردِ پنہاں ہو گیا

ہے خیال انجام کا اے تف بر انجامِ خیال
دیکھ کر محفل کو میرا جی پریشاں ہو گیا

کون ہے ایسا پجاری دیر میں اب اے بتو
کیا کرو گے تم اگر میکش مسلماں ہو گیا

کیوں ہو نادم تم مری بربادیاں ہونے کے بعد
اور افسانہ کوئی یہ داستاں ہونے کے بعد

کھل رہی ہیں مجھ پہ وحشت کی ادائیں کس قدر
کیا بھلا لگتا ہے دامن دھجیاں ہونے کے بعد

آج سن لیتے مرا افسانۂ درد و الم
پھر بھلا کس کی سنو گے تم جواں ہونے کے بعد

مٹ گیا آخر کو میں بے التفاتی سے تری
حسرتیں بڑھتی گئیں ناکامیاں ہونیکے بعد

دل میں پہلے ہی تمنا کی خلش کچھ کم نہ تھی
اور آفت ہو گئے تم مہرباں ہونیکے بعد

دل مٹا جاتا ہے آج اُن کا یہ عالم دیکھ کر
شرمگیں ہیں غیر سے سرگوشیاں ہونیکے بعد

آتے آتے میرے گھر شاید وہ کافر رہگیا
ہو گیا افسردہ میں بیتابیاں ہونیکے بعد

کوئی پوچھے تو خدارا آج اُنہیں کیا ملگیا
کسقدر خوش ہیں وہ میرے رازداں ہونیکے بعد

دل میں آنکھوں سے اُترنا ہی قیامت ہو گیا
آپ تو جاں ہو گئے دلمیں نہاں ہونیکے بعد

کیا کہے گا کوئی میکش اب یہ کھٹکا بھی گیا،
ہو گئے آزاد ہم بدنامیاں ہونیکے بعد

اک تری نرگس مخمور کی مستی کے سوا
اور دُنیا میں کوئی شے مری ہمراز نہیں

سُن لئے کشف و کرامات کے قصے واعظ
دلربائی سے زیادہ کوئی اعجاز نہیں

آپ اترائیں نہیں آپ کو معلوم نہیں،
بیخودی میں جو کہا ہے وہ مرا راز نہیں

ایک تم ہو کہ جفاؤں پہ بھی اتراتے ہو
ایک ہم ہیں کہ وفاؤں پہ ہمیں ناز نہیں

ہو گئی مست فضا روح ہوا میں دوڑی
موج ہے قلزم مے کی تری آواز نہیں

نہ دیا جواب نہ کچھ کہا نہ نظر اُٹھائی نہ رُخ کیا
مرا حال آپ نے سُن لیا مگر ایسے جیسے سُنا نہیں

وہ زلف معنبر سے بساتے ہیں صبا کو
مژدہ ہو اسیر خم گیسوئے دوتا کو

ناموں ہیں نہ اُلجھیں گے ترے دیکھنے والے
ہم ایک سمجھتے ہیں فنا اور بقا کو

گاڑ دو نہ زمیں میں کہ یہ زینت ہے جہاں کی
رہنے دو یونہی کشتۂ اندازِ جفا کو

ہم آپ کو دیکھیں گے جو اللہ نے چاہا
سب دیکھ رہے ہونگے قیامت میں خدا کو

نغموں سے ہے اُنکے مرے نالوں کا تصادم
اے اہلِ نظر آج تو اجد ہے ہوا کو

وحشت مجھے سجدیں ٹھہرنے نہیں دیتی
کسطرح اُٹھالوں ترے نقشِ کفِ پا کو

ہوتی ہے ابھی فاتحۂ میکش آزاد
چھونا نہ کوئی جامِ مئے ہوش رُبا کو

آتے ہیں مضطرب مرا نامہ لئے ہوئے
ہے ہر نظر جوابِ تمنا لئے ہوئے

وہ چپ ہیں اور لبوں پہ تبسم ہے رقص کن
انداز میں خموشی گویا لئے ہوئے

بیٹھا ہوا ہوں غرقِ خیالِ حبیب میں
موجِ نفس میں کیف کا دریا لئے ہوئے

جاگ اے جنوں کہ قافلہ اُترا ہے مصر میں
تعبیرِ خوابہائے زلیخا لئے ہوئے

بیٹھے ہیں مجھ سے سُننے کو مجنوں کی داستاں
چہرے پہ شانِ عصمتِ لیلیٰ لئے ہوئے

میں مضطرب ہوں اور مرے جذبات وجد میں
وہ چپ ہیں اور کیف کی دُنیا لئے ہوئے

آخر کو زخم گن نہ سکے نامراد کے
دیکھا کئے وہ میرا کلیجا لئے ہوئے

اک دور ہی میں صبحِ قیامت ہوئی طلوع
بیٹھا ہی تھا میں ساغر و مینا لئے ہوئے

اتنا تو ہوش ہے مجھے احوالِ قبر کا
آیا تھا کوئی آپ کا نقشا لئے ہوئے

دیکھو ادھر بھی ایک نظر تم کہ میں بھی ہوں
نظروں میں داستانِ تمنا لئے ہوئے

ہیں منفعل سے آج وہ میکش کی یاد میں
ہر آنکھ میں خمار کی دُنیا لئے ہوئے

تم اُٹھ گئے اور یہ مرے پہلو سے نہ سرکی
جاں ہو کے رہی دل میں خلش تیرِ نظر کی

کہتے ہیں کہ اب شکوہ کن درد نہیں ہے
یہ ہے تو مریضِ غمِ فرقت نے سحر کی

مٹتی رہی شب جلوۂ مدہوش پر اس کے
یوں رات مرے گیسوؤں والے نے سحر کی

سینے سے نمایاں ہی رہی قلب کی صورت
ابھری ہی رہی چوٹ تری ترچھی نظر کی

بے دیکھے حسینوں کے میں رہ ہی نہیں سکتا
معذور ہوں میں مجھ کو شکایت ہے نظر کی

ہے وقتِ دعا میکشِ بیمار کے حق میں
اب پوچھنے بیٹھے ہو خلش دردِ جگر کی

مدعی خود ہے خونِ بسمل کی
اُف وہ نیچی نگاہ قاتل کی

تم نے کیوں ناز سے مجھے دیکھا
اب مجھی پر نظر ہے محفل کی

اب نہ پھیرو نگاہ دم بھر اور
پتلیاں پھر چکی ہیں بسمل کی

بیخودی پوچھ دل کی ٹھہرن سے
کس جگہ ہے نگاہ قاتل کی

میرے رونے پہ وہ دیے وہ بھی
بدگمانی نکل گئی دل کی

اے زہے دل کہ انکی خلوت میں
یاد ہوتی رہی مرے دل کی

تجھ سے ملنے سے اے سراپا ناز
وحشتیں اور بڑھ گئیں دل کی

خاک چھوٹے گا عشق اب میکش
ابتدا ہی بگڑ گئی دل کی

آپ کا عشق وجہِ ہستی ہے
میری فطرت میں بت پرستی ہے

لگ گئی آگ جیب و داماں میں
اب جنوں کو فراغ دستی ہے

تیری آنکھوں میں ہے جو بیماری
وہ مری شکل پہ برستی ہے

میں ہوں شاکر تری جفاؤں پر
یہ بھی اک شانِ فاقہ مستی ہے

آرزوئے وصال روزِ فراق
کس قدر مجھ پہ فقرے کستی ہے
آج میکش کے خوب گھرے ہیں
اُن کی نظروں سے مے برستی ہے

مِٹ گیا دل ہم تماشائے فنا دیکھا کئے
کر ہی کیا سکتے تھے جو کچھ بھی ہوا دیکھا کئے
تم نہ آئے اور تدبیرِ جنوں ضائع ہوئی
ہم تصور میں تمہیں آتا ہوا دیکھا کئے
جذبۂ دل کی مگر تاثیر اُلٹی ہو گئی
ہم تمہارا اور تم مُنہ غیر کا دیکھا کئے
بعض دن ایسا ہی ہو جاتا ہے میرا حال کچھ
جانے کیا کرتا رہا میں آپ کیا دیکھا کئے
ایسی کیا میری تمنائیں تعجب خیز تھیں
میں بیاں کرتا رہا تم مُنہ مرا دیکھا کئے
میں نے پوچھا غیر کے گھر آپ کیا کرتے رہے
ہنس کے فرمایا تمہارا راستا دیکھا کئے
تیری اس وحشت کی اے میکش دوا بھی ہے کہیں
اک نہ اک پر غش تجھے مردِ خدا دیکھا کئے

کس طرح مان لو ناصح اُسے بے مہر کہ وہ
نہ ہنسا ہو مرے رونے پہ نہیں یاد مجھے
مٹ گئی رسمِ وفا ختم ہوئی مشقِ جفا
ہو چکی آپ کی ضد کر چکے برباد مجھے
اب تو اس دردِ جدائی کو خدا ہی سمجھے
نہ وفا یاد ہے تیری نہ جفا یاد مجھے
جب شبِ عیش میسّر ہو تجھے اے ظالم
میری حسرت کی قسم جو نہ کرے یاد مجھے
گرمیِ بزم کی اے دوست نہ رکھ مجھ سے اُمید
اب نہ وہ دل ہے نہ وہ دلکشیاں یاد مجھے
میں تو سوزِ غمِ فرقت میں جلا چاہتا ہوں
وصل کی کی ہو تمنا تو نہیں یاد مجھے

دوا پہ کیا ہے مجھے زہر ہی دوا ہو جائے
علاج کیا ہے اگر درد مدعا ہو جائے

دبائے حشرِ شبِ غم کو جب میں بیٹھا ہوں
خدا کرے کہ وہ آجائیں سامنا ہو جائے

کروں ہیں نذر تغافل کے دل یہ مشکل ہے
جو تم معاملہ کر لو معاملا ہو جائے

قبول کر، کہ دُعاؤں کا خاتمہ ہی یہ
الٰہی دردِ محبت میں خاتما ہو جائے

چلے جاؤ اُٹھالوں گا مصیبت روزِ فرقت کی
ہوئی تقصیر یہ مجھ سے جو میں نے تم سے اُلفت کی

سلامت باش اے لیلائے دل اے سوزِ بیحاصل
تجھی سے یاد تازہ ہے ہمارے عہدِ وحشت کی

ترا چلنا ترا آنا ترا ہنسنا تری باتیں
مٹا کر مجھ کو چھوڑیں گی یہ تصویریں قیامت کی

منم امشب ثنا خوانِ محمدؐ
صلوٰۃ اللہ بر جانِ محمدؐ

بگو ہمدم کہ باز آمد شبِ غم
حدیثِ زلفِ پیچانِ محمدؐ

صلوٰتم باد بر خوبانِ مہوش
نہالانِ گلستانِ محمدؐ

بدہ ساقی شرابِ سوزِ اُلفت
بحق کیفِ چشمانِ محمدؐ

صفت چوں نیست غیرِ ذاتِ ایدل
خدا خود ہست قرآنِ محمدؐ

صبا زیں میکشِ بیمارِ فرقت
دعائے گو بہ مستانِ محمدؐ

صحرائے غم میں

اسیر فرقت کی پہلی شام

پانی ابھی تھما ہے بادل ابھی کھلا ہے
ہے شام اور سورج ڈوبا ہی چاہتا ہے

مشرق سے اب سیاہی اُٹھا ہی چاہتی ہے
محمل سے اپنے لیلا نکلا ہی چاہتی ہے

خورشید ایک قطرہ ہے مائل چکیدن
پر سوز و یاس آگیں بیتاب جاں سپردن

گویا کہ سر سے پا تک حالت ہے میرے دل کی
نقشہ ہے میرے دل کا صورت ہے میرے دل کی

پانی میں ہے روانی دلدل میں خامشی ہے
سبزے میں ہے روانی جنگل میں خامشی ہے

طائر سکوت میں ہیں چوپائے چپ کھڑے ہیں
کیا میری وحشتوں کے سب پر اثر پڑے ہیں

بیٹھا ہوا ہوں میں بھی اک پیڑ کے سہارے
غرقِ غمِ جدائی اک جھیل کے کنارے

شوخی میں ہیں ہوائیں لہریں مچل رہی ہیں
میں ہوں کہ میرے دل میں آہیں اُبل رہی ہیں

اب کے اگر لگے گا کوئی ہوا کا جھونکا
گھٹ جائے گا مرا دم صدمہ نہ ضبط ہوگا

اُلفت میں جب سے انکی میں مبتلا ہوا ہوں
یہ پہلی مرتبہ آج اُن سے جدا ہوا ہوں

وہ رخصتی نگاہیں وہ شانِ اعتنائی
مایوسیوں کو دل کی وہ حکم اتنا عی
رک رک کر اُنکا چلنا اور چل کے ٹھہر جانا
پی پی کے آنسوؤں کو وہ اُن کا مسکرانا
نظروں میں میری اب بھی وہ ہی سماں بندھا ہے
آنکھوں میں پھر رہا ہے بیچین کر رہا ہے
اب بھی اسی ادا سے وہ مل کے جا رہے ہیں
پھر پھر کے دیکھتے ہیں اور مسکرا رہے ہیں

میکش ہے تم پہ شیدا کہنے سے کام کیا ہے
تم نے سمجھ لیا ہے میں نے سمجھ لیا ہے
میں پاک باز الفت دیوانۂ فنا ہوں
مٹنا ہی چاہتا تھا مٹنا ہی چاہتا ہوں
احوال سوزِ غم کا تم سے کبھی کہا ہے
اپنا ہی خوں پیا ہے اپنا ہی خوں کیا ہے
غیروں میں محو ہو تم مجھ پر نظر نہیں ہے
کیا چیز ہوں میں تمکو اپنی خبر نہیں ہے

پھر بھی ہے یہ تمنا پھر بھی یہ آرزو ہے
پھر بھی یہ مدعا ہے پھر بھی یہ جستجو ہے
آجاؤ اک گھڑی کو آجاؤ ایک دم کو
لیجاؤ میری جاں کو گل کر دو شمع غم کو،
چشمِ کرم سے دیکھو زانو پہ سر کو رکھو
رہجاؤں سرد ہو کر ایسی نظر سے دیکھو،
کیوں طول دے رہے ہو افسانہائے غم کو
یہ قصہ مختصر ہو آجاؤ ایک دم، کو،

ارتقاءِ الفت

(ناتمام)

ہر چیز میں خلش ہے ہر حال کیف زا ہے
ہر صورت اک قیامت ہر منظر اک بلا ہے

غم دل میں جاگزیں ہے دل غم میں مبتلا ہے
جاں تنگ دردِ دل سے دل نافزا زدوا ہے

عرصے سے حال یہ ہے۔ ہے درد سا جگر میں
مدت سے سہہ رہا ہوں مدت سی ہو رہا ہے

سوزش ہے میرے دل میں سوزش میں ہے تسلسل
جادو کیا گیا ہے یا زخم ہو گیا ہے

یا مادہ جنوں کا ہے طالب شہادت
قاتل نہیں ملا ہے قاتل کو ڈھونڈتا ہے

اک اک ادائے نوشیں دوشیزگی میں گم ہے
ہے چال ایسی جیسے ساغر چھلک رہا ہے

آنکھوں میں نازشیں ہیں بے چین ہیں نگاہیں
جس طرح کوئی اپنے عاشق کو دیکھتا ہے

تیور چڑھے ہوئے ہیں نظریں جھکی ہوئی ہیں
زلفیں کھلی ہوئی ہیں آنچل ڈھلا ہوا ہے

پوشاک ارغوانی اور اسپہ کامرانی
یا اوس سے مزیّن تختہ گلاب کا ہے

رنگینیاں مناظر یوں اس سے لے رہے ہیں
گویا کہ دیوتا وہ شامِ بہار کا ہے

کس درجہ ہے تصنع اور پھر بھی سادگی ہے
کس درجہ ہے تغافل اور پھر بھی دلربا ہے

میں دل پہ ہاتھ رکھے دیکھا کیا ہوں اکثر
وہ یاں سے جا رہا ہے واں سے گزر رہا ہے

بس اتنی کامیابی عرصے تلک رہی ہے
رستے میں مل گیا ہے محفل میں مل لیا ہے

مدت تک اس سے اتنی رسم سخن رہی ہے
میں مسکرا دیا ہوں وہ مسکرا دیا ہے

پہلی نظر میں اس کو گو دل میں دیکھا ہوں
منہ سے نہیں کہا ہے ظاہر نہیں کیا ہے

نظروں پہ آج اس کی، شوخی برس رہی ہے
احوال میرے دل کا شاید سمجھ گیا ہے

سب کی نظر بچا کر میں اسکو دیکھتا ہوں
میری نظر بچا کر وہ مجھ کو دیکھتا ہے

میں چپکے چپکے دل سے کچھ راز کہہ رہا ہوں
وہ میرے منہ پہ اس کے آثار پا رہا ہے

جتنا نیاز مجھ کو اتنا ہی ناز اس کو
جتنا میں مٹ رہا ہوں اتنا وہ بن رہا ہے

سجدے میں کر رہا ہوں وہ ہے تجلیوں میں
میں مضطرب ہوں اور وہ مسرور ہو رہا ہے

میں آہ کر رہا ہوں یا ساز چھڑ گئے ہیں
وہ مسکرا رہا ہے یا پھول کھل رہا ہے

ہے فصل مے پرستی طاری ہے کیف مستی
پانی برس رہا ہے بادل گھرا ہوا ہے

نظریں جھکی ہوئی ہیں جذبات جوش میں ہیں
میں مسکرا رہا ہوں وہ مسکرا رہا ہے

اظہار سوز دل پہ شرما کے ان کا کہنا
پھر ہم نہیں ملیں گے ظاہر اگر کیا ہے

جس وقت ہنس دیا ہے اک عید ہو گئی ہے
اک حشر ہو گیا ہے جب رخ بدل لیا ہے

وہ میرا عرض کرنا میں جان بیچتا ہوں
وہ اُن کا ہنس کے کہنا دیوانہ ہو گیا ہے

اب تو نظام ہستی آمادۂ فنا ہے
جاں زار ہو گئی ہے دل خون ہو گیا ہے

دیوانہ ہو گیا ہوں دیوانہ ہو گیا ہے
میں دل کو ڈھونڈتا ہوں دل اُنکو ڈھونڈتا ہے

ناکام آرزو ہوں بدنام آرزو ہوں،
ناکام رہ گیا ہوں بدنام کر دیا ہے

نامہ نہیں کسی کا اے مہربان میکش
روداد ہے جنوں کی سن لیجئے اور کیا ہے

سنہ ۱۹۲۳ء

تقدیرِ دل کہ رازِ دروں بر ملا ہوا
کیا کچھ نہ تھا نظر میں تمہاری چھپا ہوا

ہیں مستفیضِ یادِ چمن میری وحشتیں،
وہ خار چن لیا جو نظر آشنا ہوا

پردے میں یہ کشش تری اے حسنِ مضطرب
میں بے خبر تھا اور یہ دل مبتلا ہوا

روداد کامیابیِ دل مختصر یہ ہے
جو ہو گیا فنا وہ مرا مدعا ہوا

سب ہم سفر گذر گئے عشقِ مجاز سے
میں بد نصیب رہ گیا منہ دیکھتا ہوا

بے دل دیے میں کیا کہوں میں بھی نہ رہ سکا
کچھ کہہ رہا تھا رنگ تمہارا اُڑا ہوا

پہلے ہی کم نہ تھا مجھے اے دل جنونِ شوق
پردہ اُٹھا تو اور ستم بر ملا ہوا

بیتابیوں کو ان کی یہ پردہ غضب ہے ہائے
مجھ سے تو عشق میں ستم ان پر سوا ہوا

تیکش فنا ہی چارۂ سودائے عشق ہے
لو آج آکے مل بھی گئے وہ تو کیا ہوا

دل اس ہجومِ جلوۂ جاناں میں رہ گیا
کچھ یاد ہے کہ زلفِ پریشاں میں رہ گیا

جمتا اگر تصورِ جاناں تو دیکھتے،
لیکن خیال زلفِ پریشاں میں رہ گیا

اُٹھا شعلہ تری نظروں سے پہونچا مسکنِ جاں تک
کیا برباد جسم و جاں سے لیکر دین و ایماں تک

میں اس بحرِ تجلی میں ہوا ہوں گم جو جاری ہے
ترے رخسارِ تاباں سے تری زلفِ پریشاں تک

عبث اے بدگمانِ عشق تو نے اپنی جان دیدی
کہ تھا انکو ہنسی کا ذوق تیری چشمِ گریاں تک
یہی ہے وہ قیامت جس کا اتنا شور سنتے تھے
بہت دیکھا ہی اسکو شامِ غم سے صبحِ ہجراں تک

نامِ خدا حضور تو ہیں جانِ شاعری
اور میرا سوز و ساز ہے ایمانِ شاعری
کیا قدر کی ہے تم نے پریشانِ زلف کی
اسکو دیا خطاب پریشانِ شاعری
یادش بدرد، یار کے رخ کی تجلیاں
چشمِ رقیب دور، وہ بستانِ شاعری
مژگاں کو دیکھئے تو اٹھا لاؤں آئینہ
کہتے ہیں ان کو خارِ بیابانِ شاعری
الجھی ہوئی ہے طبعِ مضامینِ زلف سے
سلجھا رہا ہوں زلفِ پریشانِ شاعری
چشمِ رقیب اور ترا رخ ہزار حیف
کافر کی آنکھ اور یہ قرآنِ شاعری
سو کر اٹھے ہیں دھیان کہیں ہی نظر کہیں
کتنی بہار پر، ہے گلستانِ شاعری
میکش کو ہے تلاشِ مضامین بیخودی
ہاں پھر وہی نگاہ ہو ایجانِ شاعری

۱۹۲۲ء

اس دن کہ خود نمائی کا ان کو خیال تھا
بسمل وہ خود بھی ہو گئے میرا یہ حال تھا
کم ہمتی سے اپنی میں جیتا رہا، مگر،
جب انتہا ہوئی شبِ غم کی وصال تھا

مجھ سے ملے تھے وہ کبھی ہے یہ مجھے خیال سا
رونقِ بزمِ بیخودی تھا تو سہی وصال سا
اُنکے شبابِ ناز سے اور مرے ضبطِ راز سے
آنکھوں میں ہے خمار سا سینے میں ہے اُبال سا
اُنکی نگاہِ مست کی آج میں نذر ہو گیا
اُڑنے لگا غبار سا مٹنے لگا خیال سا
حُسن کو جس پہ ناز ہے عشق کا سوز و ساز ہے
دل میں ہمارے داغ سا رُخ پہ تمہارے خال سا
دیکھا تو ہے بہت اُسے آج یہ کیا ہوا مجھے
پہلو میں اک کھٹک ہوئی جم گیا اک خیال سا
پوچھیں تو آپ جا تک کر آیا ہے کون کس کے گھر
بیٹھتا اُٹھتا شکل گرد آپ کا پائمال، سا
کیا ہوا کیسے بیٹھے ہو میکشِ خستہ کے بغیر
چہرے پہ ہے ملال سا آنکھوں میں انفعال سا

انہیں پردہ کہ یہ وحشی مجھے رسوا نہ کریں
اور دیوانوں کو وحشت کہ وہ پروا نہ کریں
حسرتیں ہونٹوں پہ آمادہ گستاخی ہیں
کہئے ہم آپ کو ہشیار کریں یا نہ کریں،
مجھے جلوے کی طلب عشق کو تسکیں سے گریز
وہ کریں رحم مرے حال پہ اب یا نہ کریں
کہہ دو موسیٰ سے کہ سن جائیں بتوں کی پہلے
نہ کیا ہو تو ابھی طور کا سودا نہ کریں
مادہ عشق کا کرتا ہے طلبِ صورتِ حُسن
وہ کریں ہم کو فنا ہم اُنہیں دیوانہ کریں
منتوں سے مری مجبور جو وہ ہو جائیں،
یوں کریں وصل کا اقرار کہ گویا نہ کریں

پھر سنبھالے بھی نہ سنبھلیں گے جنابِ میکش
چشمِ میگوں سے حضور ان کا مداوا نہ کریں

یہ سچ کہتے ہو تم الفت میں مٹ جانا بھی ہوتا ہے
مگر آجاؤ تم تھامے جگر ایسا بھی ہوتا ہے

ہمارا عشق اک صورت ہے اُنکے حُسنِ کامل کی
وہ ہوتے ہیں تو اُن کا دیکھنے والا بھی ہوتا ہے

مری امید کا نقشہ مٹا کر خوش نہ ہو ظالم
کہ جم جائے تو ایسا یاس کا خاکا بھی ہوتا ہے

سوالِ وصل پر میرے ادائیں اُن کی کہتی ہیں
قیامت ہے غضب ہائے کہیں ایسا بھی ہوتا ہے

سنہ ۱۹۲۱ء

شرمندۂ نگاہِ کرم ہو کے رہ گیا
شکوہ زباں پہ شکرِ ستم ہو کے رہ گیا

ہے ہے وہ شوق آپ کے مشتاقِ دید کا
جو دل میں ٹیس آنکھ میں نم ہو کے رہ گیا

انجام اپنے سوز کا اے بے خبر نہ پوچھ
اک تیر تھا کہ سینے میں دم ہو کے رہ گیا

حسرت پہ کیوں نہ روئیے مقتولِ عشق کی
دو چار روز آپ کو غم ہو کے رہ گیا

تم کو تو ایک یہ کہ نہ آئے مگر یہاں
شوقِ وصال ہجر کا غم ہو کے رہ گیا

تم نے کیا نہ قتل مجھے ایک روز بھی
یہ شوق دل میں تیغ ستم ہو کے رہ گیا

میکش یہ ناتمامیِ تاثیرِ غم تو دیکھ
یعنی کسی کو شوقِ ستم ہو کے رہ گیا

غایت قرب ہوا وجہِ حجاب
کاش کچھ دور وہ ہم سے ہوتا

الاماں تیرے غضب کے شعلے
کیا مرے دیدۂ نم سے ہوتا

چھوڑتے تب بھی نہ خوبانِ جہاں
دل اگر صیدِ حرم سے ہوتا

یہ کیا کہ حلق پہ خنجر چلا کے ہنس دینا
یہ کیا کہ خاک میں ہم کو ملا کے ہنس دینا

نہ چھیڑیئے مجھے بیٹھا ہوں جان سے بیزار
کوئی ثواب ہے مجھ کو رلا کے ہنس دینا

نگاہِ شوق پہ خنجر دکھا کے ہنستے ہو
چلو ہٹو نہیں اچھا جلا کے ہنس دینا

وہ ہاتھ جوڑ کے آنکھوں سے التجا میری
وہ ان کا ناز سے نظریں چرا کے ہنس دینا

سنبھالنا مجھے میکش کہ یاد آتا ہے
کسی کا دیکھنا اور مسکرا کے ہنس دینا

کھولے تھے اس نے بال کہ محشر بدوش تھا
میں بھی نہ جی سکا کہ قضا کو بھی جوش تھا

افسردگی کا دل کی شبِ غم یہ جوش تھا
جو نالہ میرے لب تلک آیا خموش تھا

کیا گذری حسن و عشق میں آخر کہ صبح دم
تھی شمع کو خبر نہ پتنگوں کو ہوش تھا

محرومیِ نصیب تھی جب بھی یہی، مگر
وہ تھے تو مجھ کو زہرِ غمِ عشق نوش تھا

کیسا گناہ کیسی دید کس کا خیال کون بُت
عشق ہے میرے دل کا نام حُسن مری نگاہ کا

فلسفیانِ کم نظر حدِّ نظر کہیں مگر
نام ہے آسماں تری سرمہ بھری نگاہ کا

سب دیکھتے ہیں اُٹھو تم بھی لبِ بام آؤ
کچھ پردے کی کہتا ہے دیوانہ سے چھپ جانا

مکریں وہ چھپائیں وہ ہم خوب سمجھتے ہیں
یاں دردِ جگر اُٹھنا واں رنگ کا اُڑ جانا

مانا کہ میں وحشی ہوں ہاں کیوں نہ کوئی سمجھے
بے وجہ مرا ہنسنا اور آپ کا شرمانا

گھبراؤ نہ تم صاحب شرماؤ نہ تم صاحب
بیماری ہے میکش کو گر پڑنا غش آ جانا

قیام کن بہ تغافل کہ خوگرِ ستمت
تغافلت زادائے ستمگری داند

باشکِ من نشوی ملتفت تو اے گلِ تر
کہ قدرِ قطرۂ نم مہرِ خاوری داند

آیا تری آنکھوں سے ستمگر ابھی کچھ اور
بیٹھا مرے پہلو میں تڑپ کر ابھی کچھ اور

کب تک یہ ستم ہم پہ ہے کب تک یہ تغافل
کب تک یہ کہے جاؤ گے ہنس کر ابھی کچھ اور

مرتے ہیں مگر کیسے کریں عشق سے توبہ
کہتا ہے شباب اُنکا چمک کر ابھی کچھ اور

زاہد کو ہم سے رنج یہ بیکار تو نہیں،
اسکو بھی تیرے عشق کا آزار تو نہیں
منہ کیجے اس طرف میری جانب تو دیکھئے
جاں دے رہا ہوں دل کا طلبگار تو نہیں
جب کچھ نہیں تو کس لئے کہتے ہو بار بار
میکش تمہیں یہ عشق کا آزار تو نہیں

رہا گشتم ز ہر قیدے نہ گبرم نے مسلمانم
نہ بے قیدم نہ با قیدم نہ من اینم نہ من آنم
نمی خواہم وصالے را کہ انجامش بود ہجراں
توئی اے درد درمانم توئی اے سوز ساما نم
زمینم من زمانم من مکینم من مکانم من،
نہ من آنم نہ من اینم نہ من اینم نہ من آنم

یہ آنکھ ہے یا جادوائے محوِ خود آرائی
انداز میں بیماری اعجاز مسیحائی
وہ تانے ہوئے ابرو وہ بکھری ہوئے گیسو
کیا بات بگڑنے کی اللہ رے خود آرائی

دل کے لینے میں تکلف یہ ادائیں کب سے
میرے کہنے ہی سے لیلو تمہیں عادت نہ سہی
وحشت و سوز تو ہے حسرتِ دلسوز تو ہے
نہ رہی گرچہ وہ شب اور وہ صحبت نہ سہی
انکے چہرے سے ٹپکتا تھا مرا سوزِ نہاں
کچھ مرے منہ سے نہ نکلا دمِ رخصت نہ سہی

ہوا اُن کے دل پہ مگر اثر مرا جی جو اور گیا بگڑ

رہی اب نہ طاقتِ شور و شر مرے نالے کی یہ رسید ہے

نہ مرے سفر میں جہت کوئی نہ مرے حضر میں مقر کوئی

نہ ہے خواب گفت و شنید کا نہ خیالِ دانش و دید ہے

یہی زندگی کا مدار ہے کہ امیدِ عیشِ بہار ہے

ابھی زندگی کی امید ہے یہی رنج و غم کی وعید ہے

رہے یاد حشر کے دن مری مجھے یوں پکارنا یا علیؑ

وہ کہاں ہے میکش حیدری غمِ عشق کا جو شہید ہے

پھر انہیں شوقِ خود نمائی ہے — کیوں مجھے عذر نارسائی ہے

رنگ نے اُن کے یہ سنائی ہے — خامشی میری رنگ لائی ہے

الفراق اے جنونِ عیش و نشاط — خستگی میری ان کو بھائی ہے

ہیں سحر سے وہ محوِ آرائش

آج میکش کی موت آئی ہے

سنہ ۱۹۲۰ء

ترکشِ تیرِ ادا تھا دیدۂ بسمل نہ تھا
وہ مرا تارِ نظر تھا ناوکِ قاتل نہ تھا

آپ پر مٹنا تھا بس اور مقتضائے دل نہ تھا
تھا تماشائے فنا ہنگامۂ محفل نہ تھا

دیکھ کر رنگِ فنا افسردہ تھا حسرت نصیب
تھا مگر میکش تمہاری بزم میں شامل نہ تھا

بہتر ہے غیر خوب کریں عشق آپ سے
اچھا ہے خوب صدمے اُٹھائیں مری طرح

بیٹھیں خموش ادب سے رہیں تم سے دُور دُور
لوگ آئیں شوق سے مگر آئیں مری طرح

اس درجہ آبلے ہیں دلِ دردناک میں
دل سینے میں ہے خوشۂ انگور تاک میں

یاد آکے ہجر میں مجھے دونا ہے اضطراب
تیری عنایتوں نے ملایا ہے خاک میں

دیکھیں گے ہم بھی معرکہ رہتا ہے کس کے ہاتھ
دل اُنکی تاک میں ہے وہ ہیں دلکی تاک میں

عشق بتاں و غیرتِ ناموس و پاسِ وضع
عاشق مزاج دل سے مرا دم ہے ناک میں

وہ آتے ہیں تو چھپتا ہوں وہ چھپتے ہیں تو مرتا ہوں
جنوں کا انتقام، اللہ کس پر ناز کرتا ہوں

نظر چینِ جبیں پر ہے کبھی ہونٹوں کو تکتا ہوں

تری خاموشی سے دم گھٹ گیا بیمار سکتا ہوں

کیا کریں گے وہ امتحاں میرا
بارہا آزمائے بیٹھے ہیں
میں ہوں سرکار مجرمِ الفت
آپ کیوں منہ چھپائے بیٹھے ہیں

مصیبت میں مجھے دیتے ہو طعنے آشنائی کے
ارے او ظالمو کیا وصل سمجھے ہو جدائی، کو،
وہ کہتے ہیں وفائیں میری تمکو دونی یاد آتیں
بھلا ہو کج ادائی کا دعا دو بے وفائی، کو،

ہوا موافق نہیں باغِ جناں کی
خبر لا دے کوئی کوئے بتاں کی
سحر سے دل نہیں ٹھہرا ہے میرا
ہوا آئی تھی کیا کھئے کہاں کی
قیامت آگئی اے بیکسی کیا
سفر میں یاد اور کوئے بتاں کی
وہ دزدیدہ نظر وہ مہرِ مخفی،
ستم ہے یاد عشقِ ناگہاں کی
وہ روئیں وقتِ رخصت اب ہمیں کیا
رسائی ہائے آہِ ناتواں کی
ترے کوچے کی ہو جائے تو اچھا
خدا جانے یہ مٹی ہے کہاں کی
نہ پوچھیں آپ حالِ مرگِ میکش
عجب حالت ہوئی اس نوجواں کی
کوئی دن اب تو ہم بھی جذبِ دل کو آزمائیں گے
نہ جائیں گے کبھی جب تک نہ وہ ہمکو بلائیں گے

گئے وہ آہ ہم بھی اب چلے خوں ہو چلا دل بھی
سنا لیں اور کچھ ناصح کہ پھر ہم کو نہ پائیں گے

جگر پانی ہو یا دل خوں مجھے سب ناگوارا ہے
نہ ہو افسوس جب وہ ہی تو یہ کسکو دکھائیں گے

بس اے سوزِ دروں لازم ہے پاسِ دوریِ منزل
جو انکا حال واں بگڑا تو وہ کسکو بلائیں گے

وہ مجھ کو دیکھ کر خوش ہونے والے کیا ہوئے میکش
رُلا کر اب مجھے ہمدم مرے کس کو ہنسائیں گے

اشکِ ندامت ہی رہے شامِ قیامت ہی ہی
آئی نہ موت اب تک ہمیں مرنے کی حسرت ہی ہی

بیگانہ کیوں ہونے لگا میں بزمگاہِ ناز سے
مانا کہ ارماں ہی رہا مانا کہ حسرت ہی ہی

بدلے سماں اے بیخبر کیا کیا نہ ہونے نے ترے
صبحِ وطن میں بھی ہمیں تو شامِ غربت ہی ہی

کیا جانیں ذوقِ دیدہ لیکن وہ اک پہلی نظر
جسدن سے انسے دل ملا اُسدن سے فرقت ہی ہی

آئے ادھر اُدھر سے وہ اور وار کر گئے
ٹھیری یہی جو اُن کی ادا ہم تو مر گئے

ناکام جو تمہاری محبت میں مر گئے
سچ پوچھئے اگر تو بڑا کام کر گئے

آنکھیں ہیں بند اور تصور ہے آپ کا
مجھ کو اسی طرح سے مہینے گذر گئے

شرما کے مُنہ کو پھیر لیا مسکرا دیے
مرہم طلب کیا تھا وہ اور وار کر گئے

سُنتے تھے ہم کہ بعدِ قیامت ہے زندگی
جس دن سے لیکن آپ گئے ہم تو مر گئے

مثنوی زہرِ غم

(ناتمام)

اے خزانِ دل و بہارِ دل — نشترِ تیز اور قرارِ دل
دوستِ عشق و دشمنِ حسرت — خصمِ شیدا و طالبِ الفت
دوستِ دشمنان و دشمنِ دوست — رہبرِ دشمنان و رہزنِ دوست
چھین کر دل نہ پوچھنے والے — وعدے کر کر کے بھولنے والے
نہ کروں آہ دکھ سہوں کب تک — کیا کروں بے کہے رہوں کب تک

آئیے دیکھئے بہارِ جنوں — اٹھئے سر کار پڑھ چکے افسوں

نظرِ مہر بہرِ قطرۂ نم — ق — مرے دل کو تری نگاہِ کرم
ہمسے خواہانِ عشق خود بیزار — دوسروں کا علاج خود بیمار

تمہیں وہ دن بھی یاد ہیں کہ نہیں — جبکہ ایسی جفائیں تم میں نہ تھیں
کون پہلے سلام کرتا تھا — کون پہلے کلام کرتا تھا
یونہیں باتیں مجھے سناتے تھے — یونہیں پھر وں مجھے رلاتے تھے
روٹھتا میں تو تم مناتے تھے — سو دفعہ دن میں گھر پہ آتے تھے
وہی تم ہو خدا کی قدرت ہے — وہی ہم ہیں ہماری قسمت ہے

یا وہ حالت تھی یا یہ صورت ہے
میری صورت سے تمکو نفرت ہے
دیکھ کر مجھ کو پردہ کر لینا
مارنا تیر اور سپر لینا

اور اک دلخراش ہے یہ خبر
ہے تمہارا یہاں سے قصد سفر
شور ہے جب سے تیرے جانیکا
میں ہوں اور غم ہے تیرے آنیکا
تھا ادھر تیرا آنا کیا لازم
اور میرا ستانا کیا لازم
اور جو آنا ضرور ہی تھا تجھے
ہوتی الفت نہ یا نصیب مجھے
اور جو ہونی تھی تجھ سے الفت بھی
کیا ضروری تھی ہائے فرقت بھی

گر نہ تھا وصل آرزو تو تھی
دور تھے گرچہ پھول بو تو تھی
یہ نہ تھی قلب زار کی صورت
درد میں تھی قرار کی صورت
ہجر بھی تھا امید وصل بھی تھی
درد بھی تھا دوا کی شکل بھی تھی
اب خیال وصال رخصت ہے
دیدہ و دل میں اک قیامت ہے
دل امیدوں سے ہو گیا خالی
لٹ گئی اس مکاں کی آبادی
پھر تم آؤ نہ مجھے امید نہیں
اب مقدر میں میرے دید نہیں
اک دفعہ جا کے جاں نہیں جاتی
لوٹ کر پھر قضا نہیں آتی
تم تو مانو گے کیا نہ جانے کی
التجا ہے قضا سے آنے کی
کہاں وصل اور کہاں تن آسانی
مجھے الفت سے ہے پشیمانی
کسی کمبخت کی جو شامت آئے
تو مسافر سے اپنے دل کو لگائے

اور اک خوفِ وقتِ رخصت ہے
جان پر میری کیا قیامت ہے

ہائے وقتِ وداع کیا ہوگا
موت کا وقت کون سا ہوگا

سمجھے بیٹھا ہوں میں تو سب باتیں
سامنے ہیں وہ ہجر کی راتیں

ہجر میں دل نہ جینے دیگا مجھے
ہاں یہ قاتل نہ جینے دیگا مجھے

جتنے دن تم ہو یاں غنیمت ہے
یہ غنیمت بھی لیکن آفت ہے

ہے سکوں میں مرے نمودِ فنا
شمع سے اُٹھنے کو ہے دودِ فنا

سحرِ وصلِ شامِ فرقت ہے
شامِ فرقت ہے یا قیامت ہے

یاد تم کو یہ خاکسار رہے
یہ مری نظم یادگار رہے

وقتِ آخر پیامِ آخر ہے
آہ آخر سلامِ آخر ہے

از ابتدا تا ۱۹۱۹ء

محدود لامکاں میں ہمارا خدا نہ تھا، کی جس کی حمد لائق حمد و ثنا نہ تھا
تو پاس تھا تو کون سے دُکھ میں مزا نہ تھا کب تھا وہ درد جو مرے دل کی دوا نہ تھا
خود بینیاں صحیح تکبر بجا درست اچھے ہیں آپ دل بھی ہمارا برا نہ تھا
مرے ہیں اُسکے ہجر میں یہ بھی زمانہ ہے ہر دم تھا یار سامنے وہ بھی زمانہ تھا
اللہ بخشے میکش عاشق مزاج کو
سب کچھ سہی مگر وہ بتوں سے برا نہ تھا

کیا ہوا گر کوئی بسمل نہ رہا دوست! خود تو بھی تو قاتل نہ رہا
لے کے دل قتل سے میرے منکر کب رہی جان اگر دل نہ رہا
ہوں فناؤں سے کبیدہ خاطر شوق نظارۂ محفل نہ رہا
عشق کی میرے صداقت نہ رہی آئینہ تیرے مقابل نہ رہا

کرتا کبھی نہ عفو میں خون اپنا روز حشر
شرمندہ تیری چشم پشیمان نے کیا

ہے دلیل عجز ہم سب خاکسار و نگاہ غرور یعنی ہے ہم کو تکبر صنعت قدوس کا
پوچھ لیتے ہیں وہ مجھ سے بیخودی میں حال دل، نام ہے گویا زباں بھی دل کے اک جاسوس کا
سوز دل کب چھپ سکا کب شعلہ پنہاں ہو سکا جسم و دل میں ہے تعلق شمع اور فانوس کا

ظاہری خوبی ہی نے رسوا کیا تھا اسکو گر
پاک بدنامی سے جامہ ہوگا اب سالوس کا

ہر کمالے را زوال و ہر زوالے را کمال
دیکھیں کب بدلے زمانہ میکش مایوس کا

دیکھ کر مجھ کو پردہ کر لینا
مارنا تیر اور سپر لینا

پہلے ان کا سلام کر لینا
دل مرا لیکے سر پہ دھر لینا

اس کے کوچہ میں خضر گر جانا
زندگی کا پیالہ بھر لینا

میری نظروں میں شام ہونا ہے
انکا شرما کے پردہ کر لینا

سر مرا کاٹ کر وہ کہتے ہیں
نخل امید کا ثمر لینا

مجھے بچپن ہی سے یہ سودا ہے
دینا دل اور درد سر لینا

او ستم کیش کس سے سیکھا ہے
سامنے آکے پردہ کر لینا

سر تسلیم خم ہے لیں کہ نہ لیں
ہمیں ان کو سلام کر لینا

کس کس پہ تیرے عشق کا احسان نہ ہوگا
ہوگا بھی اگر کوئی تو انسان نہ ہوگا

نکلے گا نہ کیوں سامنے اس بت کے زباں سے
شکوہ بھی کوئی وصل کا ارمان نہ ہوگا

فعلوں سے مرے قول کی تنقیص نہ کرنا
نقصان جو ہوگا تمہیں نقصان نہ ہوگا

میکش تمہیں کیا کام ہے واعظ سے نہ الجھو

مغرور ہے کج بحث پشیمان نہ ہوگا

اے کہ از جودِ وجودت ہر وجودے فیضیاب
قطرہ قطرہ بحر گشت و ذرّہ ذرّہ آفتاب
صد حجاباتِ تعین ہستی و اسمائے ما
ما جدائیم از تو لیکن چوں حباب از موجِ آب
از سکوتت بر سوالِ وصل فہمیدم ما
لن ترانی بد ز ما مقصود و موسیٰ را خطاب
رحم فرما بر غریب میکش خستہ جگر
بہرِ سبطینؑ و علیؑ و شافعِ یوم الحسابؑ

اچھا کیا تصوّرِ دندانِ یار نے — اُن کو ہنسا یا مجھ کو رُلایا تمام رات
بھولے وہ ایسے یاد میں گزرا تمام دِن — ایسے ہنسے کہ مجھ کو رُلایا تمام رات

بیدلیہائے اجابت الامان — بیکسیہائے شبِ غم العیاث

دل کی بے نوری سے ہے زینتِ تن — گھر جو خالی ہیں تو بازار آباد
شرم کر نام کی سب کہتے ہیں — دلِ ویراں کو میرے یار آباد
میرا سر پھوڑنا راس آیا ہے — آجتک ہے تری دیوار آباد

ہم سے قائم ہے مسیحائی تری کر دُعا حق سے کہ بیمار آباد

جھانک پھر وہ اسی طرز سے لیلے جان بھی
اس لئے بیٹھے ہیں ہم یار کی دیوار کے پاس
اپنے آنے کی میں کس طرح کروں ان کو خبر
قاصدِ نالہ کہاں عاشقِ بیمار کے پاس

جیتے جی ڈھنا اور ڈھونڈنے آنا پسِ مرگ
کس لئے آئے ہو اب اور جلانا پسِ مرگ
بس جنازے پہ بھی تم میرے نہ آنا ہرگز
نام کرنے کو محبت نہ جتانا پسِ مرگ
اس کے کوچے سے مری نعش نہ لانا کوئی
نیند کیوں آئے بدلا جو ٹھکانا پسِ مرگ

ناز و کرشمہ کس لئے بانکی ادائیں کس لئے
دل مرا چھینے کو اک سیدھی نگہ ہی کم نہیں
صبر مجھے بھی آگیا پہلا سا حال اب کہاں
دل کی جو پوچھتے ہو تم دل جو نہیں تو غم نہیں
جان کے سارا حال طعنہ پہ طعنہ مجھ کو دیں

غیر تو پھرے غیر ہی بات کا اس کی غم نہیں
وعظ سنیں تو کیوں سنیں پند سنیں تو کیوں سنیں
غیر کی بات کیوں سنیں اپنا فسانہ کم نہیں
میکش نامراد بھی وضع میں اپنی ایک ہے
پورے ہو تم جفا میں گر وہ بھی وفا میں کم نہیں

نشاں جو ترے در کا پائے ہوئے ہیں — وہ دونوں جہاں کو بھلائے ہوئے ہیں
ستم سہہ کے بھی ہم ہیں مشتاق ان کے — وہ دل لیکے کیوں منہ چھپائے ہوئے ہیں
میں بلبل کا نالہ ہوں میکش جہاں میں
یہ سب گل مرے ہی ہنائے ہوئے ہیں

جلا جاتا ہوں خود ہی آتشِ رشکِ تماشا میں
میں گویا بزمِ خوباں میں برنگِ شمع محفل ہوں

اٹھتے ہی جس کو موجِ فنا نے بٹھا دیا — میں وہ حباب قلزمِ آبِ بقا کا ہوں

ٹھہراؤں اپنے دل کو کہ اس گلعذار کو — رخصت کروں اسے کہ شکیب و قرار کو
کیا اونکو اور کوئی ستم یاد آگیا — کیوں آج ڈھونڈتے ہیں وہ میرے مزار کو
جب شمعِ زندگی ہی کو تم نے بجھا دیا — پروانہیں بجھا دو چراغِ مزار کو
میکش بہت ہی متقی و پاک باز ہے

جانے نہ دینا تیر نظر اس شکار کو

وہ میرے جذبۂ دل کی ہی شکلِ ثانی ہے
پڑے جو مجھ پہ تمہاری نگاہ کیوں کر ہو

میری صورت سے تم کو نفرت ہے
جانے یہ کیا خدا کی رحمت ہے
میرا دل تھا دیا تھا لیتا ہوں
میرا دل ہے مری طبیعت ہے
پھر رہی ہے وہ بزم آنکھوں میں
یاد صحبت بھی خوب صحبت ہے
پوچھتے ہو کیا ہو تم کہ موت ہی کیا
وہ بھی اک غمزدہ کی حسرت ہے
وہ گئے حشر جو اٹھاتے تھے
وہ نہیں ہیں تو کیوں قیامت ہے
میرا پیغام لے کے جاتا ہے
پاسباں کی بھی آج شامت ہے
اے فسونگر ترا کمال نہیں
دل کا دینا ہماری عادت ہے

پہلے میں نے جان دی تم پر ضرور اتنا تو ہے
اور جفا تم کو سکھائی ہاں قصور اتنا تو ہے
اب کہاں وہ روز عشرت اور کہاں ہیں ہم مگر
دل سے جاؤ گے کہاں دل میں سرور اتنا تو ہے
آپ کی محفل میں آنے کا ہوں میں مجرم مگر
آپ میرے دل میں کیوں آئے قصور اتنا تو ہے
شکل اس مہوش کی ہے ہر دم مرے پیشِ نظر

شب اندھیری ہی سہی فرقت کی نور اتنا تو ہے
شہر خاموشاں میں وہ تھامے جگر آئے ہیں آج
خیر جذب دل کا اے میکش ظہور اتنا تو ہے

اب اور سلسلہ مری تدبیر کے لئے
زنجیر چاہیے مری زنجیر کے لئے
سینے سے پھر نکلنے نہ دیگا اسے کبھی
پیکان دل بنے گا ترے تیر کے لئے

جنوں میرا زلفیں تری اور ناصح،
مقدر سے ہیں سب ہی الجھانے والے

ذرا شبنم دل نگاہوں سے بچنا
کہ یہ مہر روئے بتاں کی کرن ہے

نہ لے حجاب کبھی میں نے انکو دیکھا ہائے
خیال میں بھی وہ آئے ہیں منھ چھپائے ہوئے
ہوا ہوں پیدا ہزاروں امیدیں لیکر میں
بچیں جو سینے سے ہاتھوں ہی چھپائے ہوئے
لحد میں ساتھ لئے جا رہا ہوں اے میکش
گلے لگانے کی حسرت گلے لگائے ہوئے

گئے تھے بزم میں انکی بڑے پکے ارادوں سے
یہی کہتے بنا آخر بہت بہتر نکلتے ہیں

وائے حسرت اک نظر میری طرف وہ دیکھ لیں
کاش آنکھوں ہی سے میں کہدوں جو میرے دل میں ہے

امتحانِ برشِ تیغِ ستم کرتے ہو یا مجھ سے حالت پوچھتے ہو تم دلِ ناشاد کی
وہ نہ چھوڑیں گے جفا مانا تو پھر بھی کیوں سُنیں میرے ہنسنے میں اگر نکلے ادا فریاد کی
تم بھی سمجھے مسکرانا میکشِ مقتول کا
داد دیتا تھا تمہارے خنجرِ بیداد کی

اگر وحشت نہیں میری سی تجھ کو بھی تو پھر کیا ہے
مری آنکھوں میں کیوں ہر دم تری تصویر پھرتی ہے
خرابات و حرم میں آج کل تیرا ہی قبضہ ہے
تصور دل میں آنکھوں میں تری تصویر پھرتی ہے

یہ میری وحشت کا ہے اثر اب جنوں کو جس سے جنوں ہوا ہے
کہ میرے عقل کو خرد کی صورت فرار ایک ایک نقشِ پا ہے
کبھی ستم کو ستم نہ سمجھے فراق کو بھی الم نہ سمجھے
ہوئے جو بیخود تو ہم نہ سمجھے کہ ذوقِ ہجر و وصال کیا ہے
وہ اس طرح سے ہے جلوہ فرما کہ شور ہر سو ہے مار آئینا
جو ہم سے مد نظر سے تھا چھپنا ظہور کا نام کیوں کیا ہے
ستم کا غم ہے غضب کی وحشت لکھوں میں کس طرح حال انکو
کہ حرف کاغذ پہ جو لکھا ہے تو آہ بن کر وہ اُڑ گیا ہے
میں اپنی حالت پہ کیوں ہوں پر غم جہاں میں کوئی نہیں ہے خرم
جو دل ہے غنچوں کا تنگ ہر دم گلوں کا سینہ پھٹا ہوا ہے

یہ کمسنی تیری اور یہ مضموں یہ فکر سالم یہ طبع موزوں
ضرور حاسد کا دل ہو پر خوں کہ تو نے میکش غضب کیا ہے

لیا دل کیا جو تیرا دل نہیں ہے
میں ہی بسمل ہوں تو قاتل نہیں ہے

یہاں خلوت ہے ہم دونوں ہیں یکساں
زباں کو روکیے محفل نہیں ہے

میں ہی دیتا ہوں جاں میری ہی عادت
یہ میں نے مانا تو قاتل نہیں ہے

خلش ہے ہر گھڑی سینے میں میرے
ترا پیکاں ہے میرا دل نہیں ہے

خدایا تجھ میں تو قدرت ہے اس کی
جو میکش بخشنے قابل نہیں ہے

عشق سے کون سا دن تھا کہ میں بیزار نہ تھا
کب دعا وصل کی تھی جس میں مناجات نہ تھی

کون سے دن تھی وفا تیری جفا سے خالی
کونسی تھی وہ جفا جس میں مدارات نہ تھی

قتل کرنے میں مرے دیر ہوئی کیوں اتنی
ایک آنکھوں کا اشارہ تھا کوئی بات نہ تھی

اب نہ بولوں گا جو مرضی نہیں تیری لیکن
بات کرنی مری تمہید شکایات نہ تھی

عام لوگوں نے نہ سمجھا تو نہ سمجھا میکش
کون سی بات تھی تیری جو بڑی بات نہ تھی